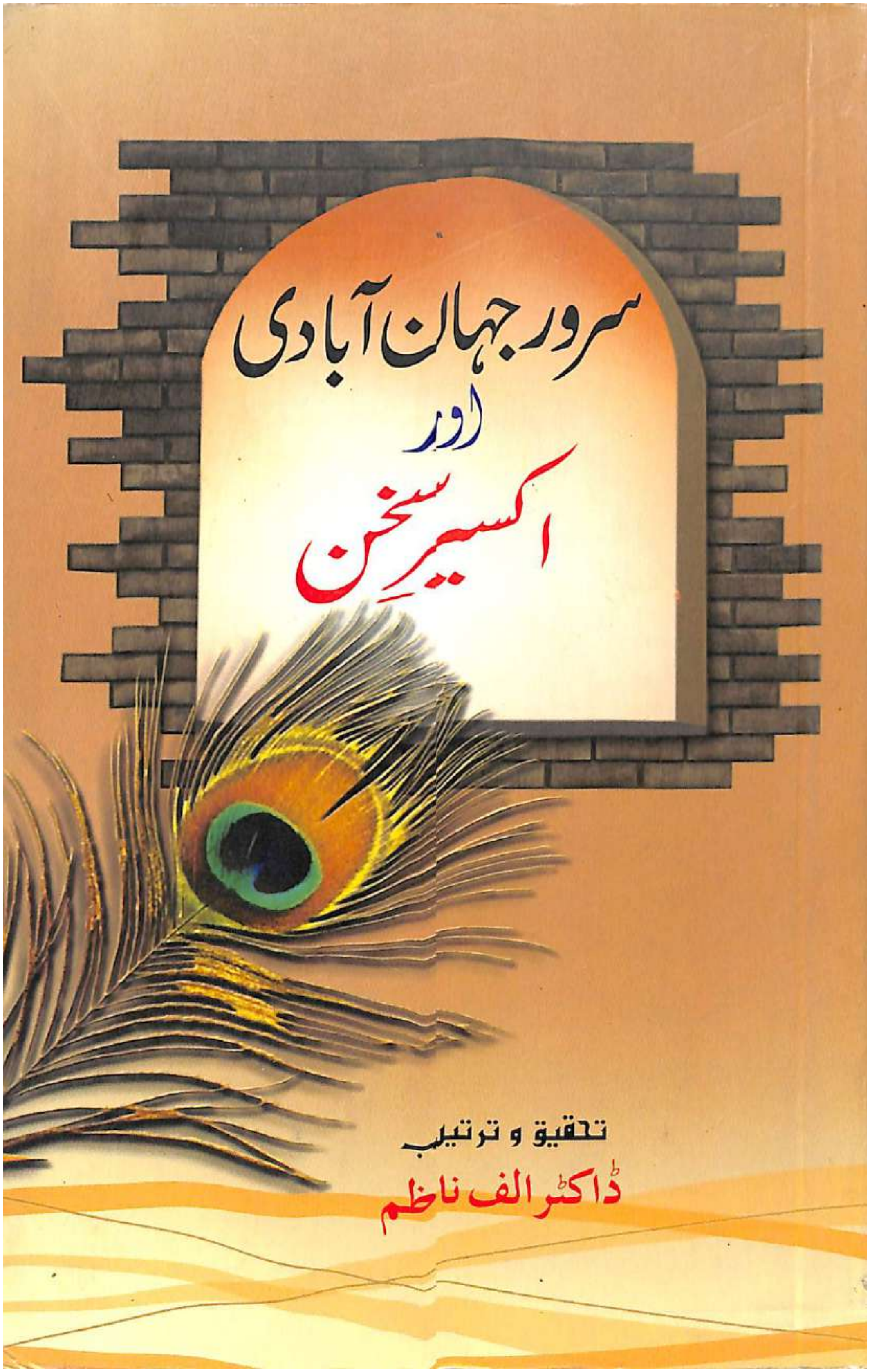
سرور جہان آبادی
اور
اکسیرِ سخن
تحقیق و ترتیب
ڈاکٹر الف ناظم

سرور جہان آبادی اور اکسیر سخن

تحقیق وترتیب

ڈاکٹر الف ناظم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 2015
تعداد : 550
قیمت : -/80روپے
سلسلۂ مطبوعات : 1849

Suroor Jahanabadi Aur Akseer-e-Sukhan

By: Dr. Alif Nazim

ISBN :978-93-5160-079-4

ناشر: ڈائریکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر:49539000، فیکس:49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066 فون نمبر:26109746
فیکس:26108159 ای۔میل:ncpulsaleunit@gmail.com
ای۔میل:urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ:www.urducouncil.nic.in
طابع: بھارت گرافکس، C-83، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز۔1، نئی دہلی110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

پروفیسر سید علی کریم
(ارتضی کریم)
ڈائریکٹر

فہرست

-1	حرفِ آغاز	الف ناظم	vii
-2	حق بہ حقدار رسید	پروفیسر سید حسن عباس	ix
-3	اکسیرِ سخن کا اصل مصنف	الف ناظم	xiii
-4	اکسیرِ سخن (نظمیں)		1
	i گریشم		3
	ii برکھا		9
	iii شرد		17
	iv ہیمنت		29
	v ششر		35
	vi بسنت		39
-5	ضمیمہ		47
	i مقدمہ اکسیرِ سخن (اصل)		49
	ii مقدمہ اکسیرِ سخن پر دیا نرائن نگم کا نوٹ		67

iii	پریم چند کا اظہار افسوس	69
iv	مقدمہ اکسیر سخن (ترمیم شدہ)	71
v	سرور اور شاکر	85
vi	سرور کے نام پیارے لال شاکر میرٹھی کے چند خطوط	91
vii	سرور اور شاکر	101
-6	کتابیات	105

حرف آغاز

منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی (1873 تا 1910) نے محض 37 برس کی عمر پائی لیکن عمر کے اس قلیل عرصے میں سرور نے اردو شعر و ادب کی جو گراں قدر خدمات انجام دیں وہ معجزے سے کم نہیں۔ جدید نظم کو فروغ دینے اور اسے بلندی عطا کرنے والوں میں سرور کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ سرور نے قومی، مذہبی اور نیچرل نظمیں لکھ کر نظم نگاری کی روایت کو وسعت دی۔ علاوہ ازیں انگریزی نظموں کے کامیاب منظوم ترجمے بھی کیے اور نثر میں بھی متعدد نگارشات پیش کر کے اردو ادب کو مالا مال کیا، لیکن اردو کے بہت سے شاعروں کی طرح سرور کو بھی تنگ دستی اور مفلوک الحالی کے سبب اپنی بیش بہا تخلیقات کو نہایت قلیل معاوضے کے عوض دوسروں کے نام کر دینا پڑا، جن کی بدولت کئی نااہل لوگ راتوں رات مقبول ترین شاعروں میں شمار کیے جانے لگے۔ ان میں پیارے لال شاکر میرٹھی کا نام سرفہرست ہے کہ سرور کا سب سے زیادہ کلام انھیں کے نام سے شائع ہوا۔ دیگر بہت سی نظموں کے علاوہ مہا کوی کالی داس کی مشہور زمانہ موسمی نظموں کی کتاب ''رتو سنگھار'' کا اردو منظوم ترجمہ، جو ''اکسیر سخن'' کے عنوان سے پیارے لال شاکر میرٹھی کے نام سے، نول کشور پریس لکھنؤ سے 1913 میں شائع ہوا، دراصل سرور جہان آبادی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

''اکسیرِ سخن'' میں شامل نظمیں (گریشم، برکھا، شرد، ہیمنت، ششر، بسنت) پہلے رسائل (''زمانہ'' کانپور اور ''نقاد'' آگرہ) کی زینت بنیں، بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ ماہنامہ ''زمانہ'' (کانپور) 1915 کے مختلف شماروں میں اس سلسلے میں جو بحث شائع ہوئی اس سے پہلی مرتبہ یہ ثابت ہوا کہ ''اکسیرِ سخن'' کے اصل مصنف سرور جہان آبادی ہیں نہ کہ پیارے لال شاکر میرٹھی۔ اس کے باوجود اردو دنیا میں ''اکسیرِ سخن'' کا مصنف شاکر میرٹھی ہی کو سمجھا جاتا رہا اور اب تک بعض نقاد اور محقق موسمی نظموں کے سلسلے میں ''اکسیرِ سخن'' کا حوالہ پیش کرتے ہیں، جس کا کریڈٹ پیارے لال شاکر میرٹھی ہی کو مل رہا ہے۔ جبکہ اس کے اصل حقدار سرور جہان آبادی ہیں۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرور جیسا نابغۂ روزگار شاعر جس قدر دانی کا مستحق تھا وہ اسے نصیب نہ ہو سکی۔ سرور ہمارے اہم ناقدین و محققین کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔ اس سے زیادہ ناقدری کا اور ثبوت کیا ہوگا کہ ان کا مکمل کلام کہیں دستیاب نہیں۔ حال ہی میں قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی نے اگرچہ کلیاتِ سرور شائع کر کے فرضِ کفایہ ادا کیا ہے لیکن اب بھی سرور کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ ہے اور رسائل و جرائد میں بکھرا پڑا ہے۔ اس لیے نہ صرف سرور کا تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام از سرِ نو ترتیب و اشاعت کا متقاضی ہے بلکہ سرور کا وہ تمام کلام جو دوسروں کے نام سے شائع ہوا، چھان پھٹک کر سرور کے نام سے ترتیب دیا جانا چاہیے۔ یہی اس مظلوم و مسکین شاعر کو سچا خراجِ عقیدت ہوگا۔ ''سرور جہان آبادی اور اکسیرِ سخن'' کو اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنا چاہیے۔

ڈاکٹر الف ناظم

حق بہ حقدار رسید

''اکسیرِ سخن'' درگا سہائے سرورؔ جہان آبادی کی ایک یادگار اور شاندار تخلیق ہے جو منشی پیارے لال شاکر میرٹھی ایڈیٹر رسالہ ''العصر''، لکھنؤ، کے نام سے 1913 میں مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آئی تھی۔

ادبی تاریخ کے واقف کار جانتے ہیں کہ درگا سہائے سرورؔ جہان آبادی اپنی تمام تر شعری اور تخلیقی صلاحیتوں کے باوجود کچھ ایسے نامساعد حالات کا شکار رہے جن سے مجبور ہو کر انھیں اپنا کلام اَونے پونے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ محققین اس بات سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ شاکر میرٹھی ایک متشاعر سے زیادہ نہ تھے۔ شاعر کہلانے کی ہوس میں وہ تمام اخلاقی حدوں کو پار کر گئے تھے۔ حتّٰی کہ منشی پریم چند کو بھی دھوکے میں رکھ کر ایک وقیع مقدمہ لکھوالیا اور منشی جی کے عزت و وقار کا مطلق خیال نہ کیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ جب بھید کھلے گا اور حقیقت سامنے آئے گی تو عام قارئین کیا سوچیں گے؟ وہی ہوا جب منشی جی کو حقیقت معلوم ہوئی تو انھوں نے اظہارِ افسوس کیا اور اپنی گذشتہ تحریر کے لیے شرمندہ ہوئے۔

اردو اور فارسی ادبیات میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جب دوسروں نے اصل مصنف یا شاعر کی تخلیق ہتھیالی ہو۔ اس کے علاوہ کچھ اور معاملات ہیں جن کے سبب کسی اور کی تخلیق یا

تصنیف کسی اور سے منسوب ہو جاتی ہے۔شاعری میں الحاق کا مسئلہ ہمیشہ سر درد بنا رہا ہے۔اسی طرح غلط منسوبات یا انتسابات کی مثالیں بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ہمارے بزرگوں نے جرأت مندی کے ساتھ ایسے غلط انتسابات کی نشان دہی کی ہے اور اپنی تحقیقات کے نتائج سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔اس سلسلے میں مجلہ 'تحقیق'، 'جام شورو' (سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد) کا غلط انتساب نمبر، خاصے کی چیز ہے اور لائق مطالعہ ہے۔فردوسی کے بارے میں یا امیر خسرو کی خالق باری کے بارے میں حافظ محمود شیرانی کی تحقیقات یا پروفیسر نذیر احمد صاحب کی تحقیقات، دیوانِ انوری میں الحاق، دساتیر کا علمی مطالعہ، فرہنگِ قواس کا جعلی نسخہ، دیوانِ معین الدین کے بارے میں، ظہوری اور اس کے رسالے مینا بازار، دیوانِ حافظ میں الحاقی اشعار، عمید لو یکی کے کلام میں غلط انتسابات کی مثالیں، دیوانِ بختیار کاکی، جمالی دہلوی کی مصباح الارواح، جمالی دہلوی سے منسوب کتابیں اور غلط انتسابات سے متعلق شیرانی کی تحقیقات ایسے مضامین و مقالات ہیں، جن کے مطالعے سے حقیقت روشن ہوتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس دقتِ نظر اور باریک بینی سے حقائق کی دریافت کی ہے۔حال ہی میں ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کا پُر مغز مقالہ 'الحاقی متن' (مطبوعہ علی گڑھ میگزین 2010، خصوصی شمارہ، علی گڑھ میں اردو تحقیق) مطالعے میں آیا۔اس مطالعے سے بھی مذکورہ موضوعات پر خاص معلومات حاصل ہوتی ہیں۔واضح رہے کہ سرقہ کے موضوع پر متفرق مضامین کے علاوہ کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ سے شائع ہونے والے رسالے 'جریدہ' کا سرقہ نمبر بھی شائع کیا ہوا تھا۔غالباً بہاولپور سے کسی صاحب نے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ بھی سپردِ قلم کیا ہے۔اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات تاریخوں اور تذکروں کے علاوہ مذکورہ منابع و مصادر سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر الف ناظم نے درگا سہائے سرور جہان آبادی پر اس سے پہلے بھی ایک کتاب شائع کی تھی۔سرور اردو کے سربرآوردہ شاعر ہونے کے علاوہ بہت حد تک مظلوم بھی تھے۔انھیں سرور جیسے مظلوم شعرا و ادبا سے گہری ہمدردی ہے۔انھوں نے بہت محنت اور تحقیقی کاوش کو بروئے کار لا کر آج ایک ادبی شہ پارے کو اس کے حقیقی مصنف کے نام سے شائع کر کے ادبی دنیا کو ایک بہت بڑے قرض سے سبکدوش کیا ہے۔اس کام کے سلسلے میں انھوں نے حتی الامکان

لازمی شواہد بھی یکجا کر دیے ہیں جنھیں دیکھنے کے بعد کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ سرور کی تخلیق نہیں ہے۔ انھوں نے قضیے کے تمام پہلوؤں کا نہایت باریکی اور دقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اکسیرِ سخن، کے خالق سرور ہیں نہ کہ شاکر میرٹھی۔ سرور اردو کے مظلوم شاعر ہیں۔ مظلوموں اور محکوموں کی حمایت انسان کا اولین فریضہ ہے۔ دیر سے سہی حقیقت کھل کر سامنے آ ہی جاتی ہے اور یہ بات بھی کہ

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر۔۔۔۔۔

یہ عمل جاری رہنا چاہیے۔ ہمارے دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی محنتوں کو اپنے نام کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اور بھول جاتے ہیں کہ آنے والے وقت میں جب حقیقت کھل کر سامنے آئے گی تو مصنف بننے کی ہوس کی کتنی بڑی قیمت چکانی پڑسکتی ہے اور عارضی شہرت، دائمی طوقِ ملامت میں تبدیل ہو جائے گی۔ ایسی حقیقتیں برملا ہونے سے ہی ہوس کے شکار لوگوں کو بے نقاب کرنا بھی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے جو شان و شوکت نیز جاہ و منصب کا ناجائز استعمال کر کے صاحبِ کتاب بننے والوں کے لیے شاید تازیانۂ عبرت بن جائے۔ اس طرح ادب، بے ادبوں کی دست درازیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس قضیے پر پروفیسر حکم چند نیر نے بھی اپنے تحقیقی مقالے سرور جہان آبادی حیات اور شاعری (مطبوعہ 1968) میں خاصی روشنی ڈالی تھی مگر یہ توفیق ڈاکٹر الف ناظم کو حاصل ہوئی کہ انھوں نے 'اکسیرِ سخن' کا متن تلاش و جستجو کے بعد حاصل کر لیا اور آج ادبی دنیا کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

میں ڈاکٹر الف ناظم کے حوصلے اور کدوکاوش کی داد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنا علمی اور تحقیقی سفر جاری رکھیں، انشاءاللہ کامیابی قدم چومے گی۔

امید ہے ادبی دنیا میں اس چھوٹی سی مگر اہم کتاب کی جو نایاب تھی، نہ صرف خاطر خواہ پذیرائی ہوگی بلکہ ایک تخلیق کے اصل خالق کی بازیافت کی کوشش کی قدر بھی کی جائے گی۔

(پروفیسر) سید حسن عباس
شعبۂ فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی، وارانسی

اکسیرِ سخن کا اصل مصنف

اردو زبان کے شعرا کی مفلوک الحالی سے کون واقف نہیں۔ اکثر کوئی ذریعۂ معاش نہ ہونے کے سبب شعرائے اردو کو سخن فروشی کے لیے مجبور ہونا پڑا ہے۔ اردو شاعری میں اس قسم کے واقعات شروع ہی سے رونما ہوتے رہے ہیں۔ مصحفی اور شاہ نصیر ایسے ہی شاعر تھے جن کا کلام نہ صرف تلامذہ مشاعروں میں پڑھا کرتے تھے بلکہ قیمتاً بھی خریدا کرتے تھے۔ آبِ حیات میں مصحفی سے متعلق یہ واقعہ درج ہے۔

> ''عین مشاعرے کے دن لوگ آتے تھے۔ 8 سے 21 تک اور جہاں تک کسی کا شوق مدد کرتا، وہ دیتا۔ وہ (مصحفی) اس میں سے 9،11،21 شعر کی غزل نکال کر حوالے کر دیتے۔ ان کے نام کا مقطع کر دیتے تھے...... پھر سب کو دے لے کر جو کچھ بچتا وہ خود لیتے اور اس میں لون مرچ لگا کر پڑھ دیتے۔ اس بات کا چرچا ہوا تو عقدہ کھلا کہ ان کی غزلیں بکتی ہیں۔ اچھے اچھے شعر تو لوگ مول لے جاتے ہیں، جو رہ جاتے ہیں، وہ ان کے حصے میں آتے ہیں''۔ [1]

مصحفی نے اردو غزلیات کے آٹھ اور ایک دیوان قصائد یادگار چھوڑا، دیوانِ فارسی اس

کے علاوہ ہے۔ اگر ان کا سارا کلام محفوظ رہتا تو خدا جانے مصحفی کا مرتبہ کیا ہوتا اور کتنے دواوین کا اضافہ ہوتا۔ مصحفی کے علاوہ اور نہ جانے کتنے شعرا ایسے ہوئے جو دوسروں کی امداد کرتے رہے اور ان کا کلام ضائع ہوتا رہا۔ اس طرح کے سمجھوتے نجی ہوتے ہیں، تحریری معاہدہ عام طور پر نہ ہونے کے سبب اصل شاعر کی تخلیقات کو ثابت کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اصل شاعر منظر سے روپوش ہو جاتا ہے اور اس کے کلام کی بدولت دوسرے نااہل لوگ وقتی طور پر مقبول ہو جاتے ہیں۔ منشی درگا سہائے سرور کا حشر بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ سرور کا بہت سا کلام دوسروں کے نام سے شائع ہوا اور بہت سا ضائع ہو گیا۔ اس کے باوجود جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے وہ اگر چہ سرور کو اردو شعر و ادب میں اعلیٰ مقام عطا کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن اگر ان کا سارا کلام موجود ہوتا تو یقیناً ان کی ادبی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث ہوتا۔

منشی درگا سہائے 1873 میں جہان آباد (پیلی بھیت) کے ایک کافی پڑھے لکھے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ مڈل اسکول جہان آباد میں مولوی کرامت حسین بہار سے اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ابتداً خاندانی پیشہ طب میں دلچسپی لی۔ اس میں جی نہ لگا تو راجاؤں کے یہاں معلمی کی، کئی رسائل سے وابستہ رہے۔ بیوی اور اکلوتے بیٹے کے انتقال کے صدمے نے شراب نوشی کے لیے مجبور کیا۔ آخر جس شے کا جینے کے لیے سہارا لیا وہی لے ڈوبی۔ محض 37 سال کی عمر میں 3 دسمبر 1910 کو سرور اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ سرور جہان آبادی کا پہلا مجموعہ کلام 'جام سرور' انڈین پریس الہ آباد سے ان کے انتقال کے فوراً بعد فروری 1911 میں شائع ہوا۔ اس میں 80 نظمیں اور 14 رباعیاں شامل ہیں۔ اسی سال مارچ 1911 میں سرور کے دوست دیا نرائن نگم ایڈیٹر ''زمانہ'' کانپور نے سرور کی ان نظموں کا انتخاب ''خمخانۂ سرور'' کے نام سے شائع کیا جو ''زمانہ'' کانپور کی زینت بن چکی تھیں۔ 1928 میں قاضی محمد غوث فضا حیدرآبادی نے رسائل سے یکجا کر کے سرور کی نظموں کا ایک انتخاب 'مُحمکدۂ سرور'' کے نام سے شائع کیا۔

''جام سرور'' (حصہ اول) کی اشاعت کی سرور کو بڑی تمنا تھی، لیکن سرور کے اچانک انتقال ہو جانے سے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ سرور کا جتنا کلام شائع ہوا اس سے کہیں زیادہ

ضائع ہوگیا۔"جامِ سرور" حصہ اول کی تکمیل کے بعد انھوں نے حصہ دوم کو بھی مرتب کرلیا تھا جس کو سرور نے پیارے لال شاکر میرٹھی ایڈیٹر "ادیب" الہ آباد کو سونپ دیا تھا۔ شاکر میرٹھی اسے کبھی شائع نہ کر سکے۔ سرور کی موت کے بعد جب شاکر پر سرور کے کلام کو ہتھیا لینے کے الزامات عائد کیے گئے تو انھوں نے اس کے جواب میں لکھا:

> "سرور کا بہت سا کلام اب تک میرے پاس موجود ہے۔ بعض نظمیں میں نے "ادیب" میں شائع کرائیں اور بعض "العصر" میں چھاپیں۔ ان کے علاوہ ابھی کافی ذخیرہ ہے جس کی اشاعت کا حق مرحوم (سرور) کے برادرِ کلاں نے تحریر کے ذریعے سے مجھے مرحمت فرمایا ہے۔ یہ مجموعہ کم و بیش دس جز کا ہوگا۔ کچھ نظمیں اس میں ایسی ہیں جو جنابِ سرور نے بہ زمانہ قیامِ الہ آباد کہی تھیں اور جامِ سرور جلد دوم کے لیے مجھے دی تھیں۔ بعض وہ نظمیں ہیں جو خاص میری فرمائش پر کہی گئی تھیں۔ جلد دوم کے مرتب ہونے کی صلاح ہو رہی تھی کہ انھیں وطن واپس جانا پڑا۔ دسمبر میں وہ خود آنے والے تھے کہ پیغامِ اجل آگیا۔ اب تک جلد دوم معرضِ التوا میں ہے۔ اب کوئی مہینہ بھر سے وہ کلام صاف ہو رہا ہے۔ اس کی اشاعت کے بعد ملک خود اندازہ کرلے گا کہ میں نے جنابِ سرور کے کلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"[2]

شاکر میرٹھی کی مذکورہ تحریر ستمبر 1914 کی ہے۔ اس کے بعد وہ 42 برس تک زندہ رہے لیکن جلد دوم کی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔ 1956 میں شاکر کے انتقال کے بعد اس کی اشاعت کی امید بھی ختم ہوگئی۔ اب ملک خود اندازہ کرلے کہ شاکر صاحب نے کلامِ سرور کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ظاہر ہے کہ سرور کا سب سے زیادہ کلام شاکر کے ہاتھوں ضائع ہوا۔ اتفاق سے سرور کا سب سے زیادہ کلام بھی شاکر ہی کے نام سے شائع ہوا۔ اس کا ثبوت خود شاکر کے ان خطوط میں موجود ہے جو وقتاً فوقتاً انھوں نے سرور کے نام لکھے ہیں۔ ویریندر پرساد سکسینہ لکھتے ہیں:

''شاکر میرٹھی سے دہلی میں میری ملاقات پانچ سات بار ہوئی۔
میں نے ان کے پاس سرور مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مجموعہ دیکھا تھا
جس میں پانچ سو رباعیاں اور ڈیڑھ سو نظمیں تھیں۔ جس میں سے
تقریباً دو سو رباعیاں اور پچاس نظمیں شاکر نے اپنے نام سے
شائع کرائیں''۔3

رام بابو سکسینہ (تاریخ ادب اردو)، لالہ سری رام (خمخانۂ جاوید، جلد چہارم) اور جگر بریلوی (یادِ رفتگاں) نے کلامِ سرور کے ضائع ہو جانے اور دوسروں کے نام شائع ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ جگر بریلوی کے مطابق سرور کی بہت سی نظمیں اور بے شمار رباعیاں مسٹر شاکر میرٹھی کے نام سے شائع ہوئیں۔ باوا کرشن گوپال مغموم کے مطابق سرور کی بہت سی نظمیں پیارے لال شاکر کے علاوہ مہاراجہ اجے گڑھ (انگرا جے گڑھی) کے نام سے بھی شائع ہوئیں۔ اس سلسلے میں مغموم نے اپنے پاس تحریری ثبوت موجود ہونے کا دعویٰ کیا۔ (سرور جہان آبادی: حیات وکلام ص 131)۔ انگرا جے گڑھی کی ایسی کئی نظمیں رسائل و جرائد میں راقم الحروف کی نظر سے بھی گزریں جو اسلوب کے اعتبار سے سرور کی معلوم ہوتی ہیں لیکن تحریری ثبوت نہ ہونے کے سبب وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس طرح سرور کی بدولت کئی نااہل لوگ شاعر بن بیٹھے اور راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے۔ سرور کے انتقال کے بعد چونکہ ان کو کلام ملنا بند ہو گیا، اس لیے ان کی نام نہاد شہرت بھی خاک میں مل گئی۔ خود شاکر میرٹھی سرور کی زندگی میں توصیفِ اول کے شاعر سمجھے جانے لگے تھے لیکن سرور کے انتقال کے بعد جب ان کی شاعرانہ استعداد کا پول کھلنے لگا تو انھوں نے رسائل میں کلام بھیجنا بند کر دیا اور سرور کے انتقال کے 42 برس بعد فروری 1956 میں نہایت گمنامی میں انتقال کیا۔

''اکسیرِ سخن'' 68 صفحات پر مشتمل سنسکرت کے مہاکوی کالی داس کی مشہورِ زمانہ تصنیف ''رتو سنگھار'' کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ اس میں ہندوستان کے 6 موسموں پر مبنی 6 طویل نظمیں ہیں۔ یہ کتاب پیارے لال شاکر میرٹھی کے نام سے پہلی مرتبہ 1913 (نول کشور پریس، لکھنؤ) میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن اسی مطبع سے 1941 میں چھپا۔ شاکر میرٹھی نے یہ کتاب اردو

ادب کے ایک اہم سرپرست مہاراجہ سری کشن پرشاد شاد کے نام معنون کی۔ صفحہ نمبر 12 اور 13 کے درمیان مہاراجہ کی تصویر ہے اور خود شاکر میرٹھی کی تصویر صفحہ نمبر 24 اور 25 کے درمیان ہے۔ اس کتاب میں مصنف کا پیش لفظ نہیں ہے۔ اس کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس کتاب کا مفصل دیباچہ فکشن کے فنکار منشی پریم چند نے ''مقدمہ'' کے عنوان سے لکھا۔ 20 صفحات میں پریم چند نے کالی داس کے سوانحی حالات، کالی داس کا کمالِ تبحر، کالی داس کی تصانیف اور ''رتو سنگھار'' کا تعارف کرایا اور 2 صفحات میں ''اکسیرِ سخن'' کے مترجم اور ترجمہ کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ دیباچہ پریم چند نے مروتاً نہیں لکھا بلکہ کالی داس کی سنسکرت نظموں کے اردو منظوم ترجمے سے مرعوب ہو کر تحریر کیا تھا۔ اس سلسلے میں شاکر میرٹھی نے نہ صرف پریم چند سے مقدمہ تحریر کرنے کی گزارش کی بلکہ کالی داس سے متعلق اچھا خاصہ مواد بھی مہیا کرایا۔ ''اکسیرِ سخن'' کی تین نظمیں ''مفصلِ خریف'' (اکسیرِ سخن میں یہ نظم بعنوان ''شرد'' شامل کی گئی ہے جو اصل سنسکرت میں ہے) ''ہیمنت' اور 'برکھارت' ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور میں شاکر میرٹھی ہی کے نام سے شائع ہوئیں۔ نظم 'موسمِ گرما' (اکسیرِ سخن میں ''گریشم'') 'ادیب' الہ آباد میں اور ''بسنت'' ماہنامہ ''نقاد'' آگرہ میں شائع ہوئی۔

ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور 1915 کے مختلف شماروں میں سرور اور شاکر کے عنوان سے جو بحث شائع ہوئی، اس سے پہلی مرتبہ یہ انکشاف ہوا کہ کالی داس کی موسم پر تحریر نظموں (رتو سنگھار) کا اردو منظوم ترجمہ جو پیارے لال شاکر میرٹھی کے نام سے شائع ہوا، دراصل سرور جہان آبادی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ سرور کے بعض احباب سرور کی حیات ہی میں اس راز سے واقف تھے کہ شاکر میرٹھی کے نام سے جو نظمیں رسائل کی زینت بنتی ہیں اور جن کی بدولت شاکر میرٹھی کو شہرت حاصل ہو چکی ہے دراصل سرور کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

سرور اور شاکر کے شاعرانہ تعلقات کی ابتدا 1907 میں اس وقت ہوئی جب شاکر میرٹھی منشی دیا نرائن نگم کی دعوت پر ماہنامہ 'زمانہ' کے معاون مدیر کی حیثیت سے کانپور آئے۔ لیکن شاکر دورانِ طالب علمی ہی سے سرور سے واقف تھے۔ بقول شاکر میرٹھی:

''میری اوّل اوّل ملاقات سرور سے اس وقت ہوئی جب میں

زیرِ تعلیم تھا اور سرور اس وقت ''وحشت'' تخلص کرتے تھے۔
جب ان سے 1907 میں کانپور میں ملاقات ہوئی تو دونوں
نے ایک دوسرے کو پہچانا۔ اس سے قبل نہ وہ یہ جانتے تھے کہ
میں ہی شاکر ہوں اور نہ ہی میں جانتا تھا کہ ''وحشت'' ہی
سرور ہیں''۔4

حکم چند نیر کا یہ خیال کہ سرور اپنے اکلوتے بیٹے کی وفات (1906) کے بعد 'زمانہ' کی ملازمت چھوڑ چکے تھے، صحیح نہیں۔ سرور کے ایک خط، جو انھوں نے دیا نرائن نگم کو لکھا تھا، سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سرور 1906 تک اپنے بیٹے کی وفات کی وجہ سے ''زمانہ'' کی اسسٹنٹ ایڈیٹری، مینجری کی پیشکش کو قبول نہ کر سکے تھے۔ سرور لکھتے ہیں:

''آپ کا (دیانرائن نگم) عنایت نامہ آیا۔ جس صدق و محبت سے
آپ نے میرے ساتھ اس سانحہ روح فرسا (بیٹے کی موت)
میں اظہارِ ہمدردی فرمایا ہے اس کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میرا
دل و دماغ اس صدمہ عظیم کی وجہ سے ابھی اس قابل نہیں کہ کانپور
رہ کر اسسٹنٹ ایڈیٹری، مینجری، تصانیف کے متعلق کچھ خدمات
انجام دے سکوں...... ہاں کوئی فارم مطبوعہ اگر ایسا ہو جس
میں میرا نام بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹری کے درج ہو اور جس میں
زمانہ کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ تحریکِ خریداری بھی ہو تو نہایت
انسب ہے''۔5

سرور نے مذکورہ خط نگم کو اس خط کے جواب میں لکھا تھا جو انھوں نے سرور کے بیٹے کی موت کے سانحے کے بعد اظہارِ ہمدردی کے لیے لکھا تھا۔ نگم نے سرور کی مشکلات کو دیکھتے ہوئے انھیں زمانہ کی اسسٹنٹ ایڈیٹری کی پیشکش کی تھی۔ یہ خط 27 دسمبر 1906 کو لکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ 27 دسمبر 1906 تک سرور ماہنامہ ''زمانہ'' کانپور سے وابستہ نہیں ہوئے تھے بلکہ ملازمت کے سلسلے میں خط و کتابت چل رہی تھی۔ اس لیے شاکر کے اس بیان سے کہ سرور سے

ان کی دوبارہ ملاقات کانپور میں 1907 میں ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ سرور 1907 کے کسی ماہ میں ''زمانہ'' سے وابستہ ہوئے۔ اس لیے سرور اور شاکر کی باقاعدہ ملاقات اسی وقت ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سرور اپنی معاشی پریشانیوں سے مجبور ہوکر شراب نوشی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ تھا۔ تخلیقات کی اشاعت پر بھی اتنا معاوضہ نہ ملتا تھا کہ ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ شاکر میرٹھی نے جب یہ دیکھا کہ سرور کو شراب کے لیے پیسوں کی سخت ضرورت ہے، وہ ان کی مالی امداد کرنے لگے اور اس کے بدلے میں وہ سرور صاحب سے نظمیں طلب کیا کرتے تھے تا کہ اپنے نام سے انھیں شائع کرا سکیں۔ یوں بھی شاکر نے دوسروں کی کافی نظمیں اپنے نام سے شائع کیں لیکن جب سرور کے ساتھ انھوں نے معاملات کیے تو پھر کہیں اور ہاتھ صاف کرنے کی نوبت نہ آئی ہوگی کہ سرور برابر ان کے اس جذبے کی میرابی کرتے رہے۔

سرور کے بعض احباب مثلاً دیا نرائن نگم اور نوبت رائے نظر لکھنوی کو سرور کی زندگی ہی میں معلوم ہو چکا تھا کہ بحیثیت شاعر شاکر میرٹھی کی شہرت سرور جہان آبادی کی نظموں کی بدولت ہے جو ملک کے معیاری رسائل میں دھڑلے سے شائع ہورہی ہیں۔ لیکن نگم و نظر اس وقت اس راز سے پردہ نہ اٹھا سکے۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ نگم کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا ،دوسرے بقول نگم صاحب خود سرور صاحب نے اس راز کی بھنک لگ جانے پر ان سے (نگم) اس راز کو کچھ مدّت تک پوشیدہ رکھنے کی درخواست کی۔ 3 دسمبر 1910 کو سرور کا انتقال ہوگیا۔ نگم کو سرور سے بے حد محبت تھی۔ سرور کی تعزیت میں شامل ہونے کے لیے وہ جہان آباد (پیلی بھیت) گئے جہاں انھیں سرور کے کاغذات میں شاکر میرٹھی کے کچھ خطوط بھی مل گئے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً سرور کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے شاکر کی شاعری کی حقیقت کھل گئی اور نگم کو تحریری ثبوت بھی حاصل ہوگیا۔

''اکسیر سخن'' نول کشور پریس لکھنؤ سے 1913 میں شائع ہوئی۔ بقول نگم شاکر نے اس کی اشاعت کی خبر ان سے پوشیدہ رکھی۔ نگم کو اس کے شائع ہونے کی خبر اگست 1914 میں ہو پائی۔ ''زمانہ'' (کانپور) کے اگست 1914 کے شمارے میں نگم نے ''اکسیر سخن'' کے دیباچے کو، جسے پریم چند نے تحریر کیا تھا' ترمیم کرکے شائع کردیا اور ایک مختصر نوٹ لکھ کر یہ انکشاف کیا کہ

''اکسیر سخن'' کی نظموں کا نثری ترجمہ مسٹر شاکر نے کیا اور انھیں نظم کا جامہ سرور نے پہنایا ہے۔ نگم کا نوٹ یہ تھا:

> ''مسٹر شاکر نے ان نظموں کے مجموعے کو ''اکسیر سخن'' کے نام سے اپنے نام سے شائع کیا۔ ''زمانہ'' میں اشاعت کے لیے بھی یہ نظمیں ہم کو انھیں سے ملی تھیں اور ان کے آخر میں انھیں کا نام ثبت تھا۔ مگر بعد میں ہم کو تحقیقی طور پر ثابت ہوا کہ ان نظموں کا نثری ترجمہ مسٹر شاکر نے کیا ہے اور ان کو نظم کا جامہ سرور مرحوم نے پہنایا۔ ہمارے پاس اس کا تحریری ثبوت ہے۔ اس لیے منشی پریم چند نے اس مضمون میں ''رتو سنگھار'' کے مترجم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں ہم نے محض اپنی ذمے داری پر ترمیم کر دی ہے۔ یہ مضمون ''اکسیر سخن'' کے دیباچے سے ماخوذ ہے۔ ''زمانہ'' بابت 1910 میں تین نظمیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک ''شرد'' پر دوسری ''موسم برسات'' پر اور تیسری ''ہیمنت'' پر''۔6

دیا نرائن نگم کے مذکورہ نوٹ کے ردِ عمل میں ابوالرشاد نے ماہنامہ ''الناظر'' لکھنؤ دسمبر 1914 کے شمارے میں ''مئے دو آتشہ'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھ کر شاکر کی حمایت کرتے ہوئے نگم کے نوٹ کی مذمت کی۔ ابوالرشاد نے ''مئے دو آتشہ'' کے پہلے حصے میں ''اکسیر سخن'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، خوبیوں کے ساتھ ساتھ بعض کوتاہیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ابوالرشاد کے خیال میں ان نظموں کا عنوان ''مئے دو آتشہ'' ہونا چاہیے تھا۔ مضمون کے دوسرے حصے میں ''زمانہ'' میں شائع شدہ نگم کے نوٹ کی مذمت کی اور نگم پر معاصرانہ حسد و انتقام اور ذاتی تکدر وغیرہ کے الزامات عائد کیے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''اگر راست بازی اور صفائی قلب کے ساتھ نگم صاحب اس تحریری ثبوت کے بہم پہنچنے پر جس سے ان کو تحقیقی طور پر ثابت ہو گیا کہ سرور نے نظمیں ترجمہ کی ہیں، مسٹر شاکر سے اس بارے میں

استفسار فرما لیتے اور قابل تشفی جواب نہ پا کر پبلک کو اصلیت سے
مطلع فرما دیتے تو بمقابلہ اس پیچیدہ کارروائی کے زیادہ مناسب
ہوتا......اب بھی اگر ایڈیٹر ''زمانہ'' اس گتھی کو جو انھوں نے الجھا
دی ہے، سلجھانے کی طرف التفات فرما کر اس ثبوت کو پیش کر دیں
جس کی بنیاد پر انھوں نے حضرت شاکر کو متہم کرنے کی جرأت کی
ہے، تو یہ ان کا احسان نہ صرف اپنے متوفی دوست سرور پر ہوگا بلکہ
پبلک کو بھی ایک بڑی غلط فہمی سے نجات ملے گی''۔ 7

اس مضمون کی اشاعت کے بعد نگم نے اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے ایک مضمون کے ساتھ شاکر میرٹھی کے وہ دس خطوط شائع کر دیے جو شاکر نے سرور کو وقتاً وقتاً نظموں کی فرمائش کے لیے لکھے تھے۔ یہ خطوط نگم کو اگرچہ سرور کے انتقال کے فوراً بعد حاصل ہو گئے تھے لیکن اس وقت انھیں شائع نہ کرنے کی وجہ نگم نے یہ بتائی ہے:

''سرور صاحب کی زندگی میں تو ان کے پاس خاطر سے اس
حقیقت کو ظاہر نہ کر سکا۔ ان کے بعد تحریری ثبوت کے بغیر کچھ نہ
کہہ سکتا تھا، اس کے دستیاب ہونے میں کچھ وقفہ گزرا اور اس
عرصے میں ماہنامہ ''ادیب'' الہ آباد کی ایڈیٹری شاکر صاحب
کے سپرد ہو گئی اور میں نے قصداً اس راز کے اظہار کو مناسب نہ
سمجھا۔ کیونکہ اگر ابوالرشاد صاحب اب اس وقت راست بیانی
کو ''معاصرانہ حسد و ذاتی تکدر'' پر محمول فرماتے ہیں تو اس وقت
نہ صرف ان کا بلکہ اور بہت سے تنگ خیال حضرات کا بھی ایسا
ہی خیال ہو سکتا تھا۔ بہر حال میں نے اس بحث کو ''اکسیر سخن''
کی اشاعت ہی پر اٹھا رکھا۔ لیکن شاکر صاحب نے اس کی
اشاعت مجھ سے پوشیدہ رکھی، کیونکہ نہ تو انھوں نے یہ کتاب
''زمانہ'' کو ریویو کے لیے ارسال فرمائی اور نہ کسی اور ہی

> ذریعے سے مجھے اس کے طبع ہونے کا حال اگست 1914 سے پہلے معلوم ہوسکا۔ غرض ''اکسیر سخن'' کی اشاعت کے بعد جو وقفہ گزرا، محض لاعلمی میں گزرا۔ لیکن اس کی ذمہ داری بھی در اصل مسٹر شاکر ہی پر ہے''۔ 8

لیکن دیا نرائن نگم کے بیٹے شری نرائن نگم ایڈوکیٹ (دیا نرائن نگم کے بعد ''زمانہ'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے) نے حکم چند نیّر کو ایک خط کے جواب میں لکھا کہ ان خطوط کو فوراً شائع نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ایسا کرنے سے سرور کے اس غیر مطبوعہ کلام کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ تھا جو شاکر میرٹھی کے پاس موجود تھا۔ خطوط کی اشاعت کے بعد وہ اس کلام کو اپنے نام سے شائع نہ کرتے۔ یعنی اس رازداری سے کم از کم اتنا تو ہوا کہ وہ کلام سرور کے نام سے نہ سہی، شاکر میرٹھی کے نام سے چھپتا رہا۔ یہ اندیشہ صحیح تھا۔ ان خطوط کی اشاعت کے بعد شاکر نے رسائل میں کلام بھیجنا بند کردیا۔ شاکر کا انتقال فروری 1956 میں ہوا۔ ان کے پاس سرور کا جو غیر مطبوعہ کلام محفوظ تھا، ضائع ہوگیا۔

ابوالرشاد نے چونکہ پریم چند کے ''مقدمہ اکسیر سخن'' پر نگم کے ذریعہ کیے گئے تصرف اور اسے نوٹ لگا کر سرور کے نام سے شائع کرنے کو چیلنج کیا۔ اس لیے نگم نے پریم چند کی خدمت میں سرور اور شاکر کے بعض خطوط اور کچھ ضروری مسودات ارسال کیے جن سے ''اکسیر سخن'' کے اصل مصنف کا پتہ چلتا ہے۔ انھیں ملاحظہ فرمانے کے بعد نگم سے مکمل اتفاق ظاہر کرتے ہوئے پریم چند لکھتے ہیں:

> ''مشفق من تسلیم!
>
> آپ نے سرور مرحوم کے جو خطوط اور حضرت شاکر کے جو مسودات میرے پاس بھیجے ہیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد مجھے آپ سے کلی اتفاق ہے کہ ان نظموں کے اصل مصنف سرور ہیں۔ حضرت شاکر نے ضرور سنسکرت سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور نظم کے متعلق جابجا ہدایتیں بھی کی ہیں۔ مگر ان کاوشوں کا یہیں تک خاتمہ ہوجاتا ہے...... آپ نے میرے دیباچے میں جو ترمیم فرمائی

ہے وہ بہ ہمہ وجوہ مناسب ہے۔ کاش! مجھے اس کا علم ہوتا تو میں
ہرگز یہ دیباچہ لکھنے کے لیے قلم نہ اٹھاتا''۔ 9

پریم چند کے مذکورہ خط کی اشاعت کے بعد ''زمانہ'' میں سرور اور شاکر پر باقاعدہ بحث کا آغاز ہوا۔ اس بحث میں نگم نے سرور اور شاکر کے معاملات کے چشم دید گواہ نوبت رائے نظر لکھنوی کا بھی ذکر کر دیا۔ جسے پڑھ کر نوبت رائے نظر نے سکوت توڑا اور ''سرور اور شاکر'' کے عنوان کے تحت ایک مضمون ''زمانہ'' بابت اپریل 1915 میں شائع کرایا جس میں انھوں نے نگم کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

''جن واقعات کا آپ نے تحریری ثبوت دے کر لٹریری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے، وہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ سرور مرحوم اور مسٹر شاکر کے شاعرانہ تعلقات کا علم مجھے اس زمانے میں ہوا تھا جب مرحوم (سرور) الٰہ آباد آئے تھے اور مسٹر شاکر کے یہاں مقیم تھے۔ اس زمانے میں وہ دونوں وقت روز مرہ میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ کالی داس کی نظموں کو سنسکرت سے ترجمہ مسٹر شاکر نے ایک پنڈت صاحب کی مدد سے نثر میں بطور خاکہ کیا تھا اور سرور اسے نظم کرتے تھے۔ شاعر کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ جو کچھ نظم کرتا ہے، خواہ وہ کسی دوسرے ہی کے لیے کیوں نہ ہو لیکن اسے اپنے ہمراز دوستوں کو ضرور سنا دیتا ہے۔ سرور بھی مجھے ان نظموں کے اشعار روز مرہ سنایا کرتے تھے۔ مجھ سے یہ راز پوشیدہ نہ تھا کہ مسٹر شاکر کی نظمیں دراصل سرور مبرور کے زورِ طبع کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ میں اس راز کو زبان تک نہ لاتا اگر آپ نے اسے فاش نہ کر دیا ہوتا''۔ 10

اس سلسلے میں برق دہلوی کے خط کا یہ اقتباس جو ''زمانہ'' اپریل 1915 میں شائع ہوا ہے، دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

''بسا اوقات میں اس حیرت انگیز دلی الفت سے جو سرور اور شاکر
کے کلام میں پائی جاتی ہے، حیران رہ جایا کرتا تھا مگر آج معلوم ہوا
کہ ''اکسیر سخن'' کا اکسیر گر دراصل کون ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس
حقیقت کے انکشاف سے آپ نے سرور مبرور کی روح کو ہی
ثواب پہنچایا ہے''۔ 11

''مخانۂ جاوید'' میں لالہ سری رام نے شاکر میرٹھی کے ذکر میں لکھا ہے۔

''ان کی (شاکر) مدتوں منشی نوبت رائے نظر سے دوستی رہی اور
کلام میں بھی ان سے مشورہ کرتے رہے''۔ 12

ممکن ہے کہ نظر لکھنوی نے شاکر کے کلام پر اصلاح دی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ نظر لکھنوی شاکر کی شاعرانہ استعداد سے بخوبی واقف تھے کہ شاکر کو بحر و وزن کا علم بھی نہ تھا۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

''اس وقت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ شاکر صاحب نے سرور سے تلمذ
اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ ایک آدھ موقع پر خود انھوں نے بھی فرمایا
تھا اور سرور صاحب ان کے کلام کو محنت اور توجہ سے درست
کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی نظم خود کہہ کر انھیں دے دیتے ہیں۔
لیکن ایک موقع پر مجھے تجربہ ہوا، شاکر صاحب فنِ نظم سے بالکل
بہرہ نہیں رکھتے''۔ 13

نظر لکھنوی کا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں کہ شاکر فنِ نظم سے بالکل ناواقف تھے۔ اس کا ثبوت خود شاکر میرٹھی کی تحریروں میں موجود ہے۔ سرور کے نام ایک خط میں شاکر میرٹھی نے نظم سے متعلق کچھ ضروری ہدایات دیتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ وہ فنِ عروض میں کتنی استعداد رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں سرور کے نام شاکر میرٹھی کے ایک خط کا یہ اقتباس:

''میں اس وقت ایک مضمون ''میں نے کسے دیکھا'' آپ کو ارسال
کرتا ہوں۔ عنایت فرما کر دو تین دن کے اندر نظم کر کے مجھے بھیج

دیں۔ ایک بات کا خیال رہے کہ ہر ایک شعر با قافیہ وردیف ہو،
وزن میرے خیال سے وہ بہتر رہے گا جو ''چلمن'' کا ہے۔ یا جو
آپ مناسب خیال کریں و جا بجا حسب ضرورت آپ مضمون کا
اضافہ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ آپ مجھ پر احسان کریں گے، اگر بہت
جلد اس کو مجھ کو بھیج دیں گے:

ع تم مجھ سے پوچھتے ہو میں نے کسے دیکھا

اور

ع سنبھالو سنبھالو نہیں تو میں گرا

یہ ہر حصے کا پہلا اور آخری شعر ہوگا ے بہت چست کہیں
تا کہ مزا دے''۔ 14

مذکورہ اقتباس کے ساقط الوزن مصرعوں سے ظاہر ہے کہ شاکر میرٹھی عروض سے بالکل ناواقف تھے۔ اس بات کی مزید تصدیق کے لیے حکم چند نیر کی کتاب ''سرور جہان آبادی: حیات اور شاعری'' کے حاشیے کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''1962 کی گرمیوں میں ایک روز محروم صاحب (تلوک چند)
سے ملنے گیا۔ باتوں باتوں میں سرور اور شاکر کا چرچا ہونے لگا۔
میں نے ''العصر'' لکھنؤ کے نو دریافت ضمیمے کا ذکر کیا تو انھوں نے
فرمایا کہ سنائیے ضمیمے میں کیا لکھا ہے؟ میں نے یہ شعر پڑھا ہی تھا:

زمانہ مجھ کو برا کہہ رہا ہے کہنے دو
میں جانتا ہوں زمانے کا اعتبار نہیں

کہ محروم صاحب چونکے اور کہنے لگے کہ ضمیمہ تو پھر سنیں گے، پہلے
یہ بتائیے کہ یہ شعر کس کا ہے؟ شاکر صاحب ایسا موزوں شعر ہرگز
نہیں کہہ سکتے تھے۔ تحقیق حال کا حق ادا کرنے کے لیے پہلے یہ
معلوم کرنا چاہیے کہ یہ شعر کس کا ہے؟''۔ 15

تلوک چند محروم شاکر میرٹھی کے احباب میں سے تھے۔ وہ شاکر کی شاعرانہ استعداد سے بخوبی واقف تھے۔ شاکر نے انھیں بھی نہیں بخشا۔ محروم کے بیٹے اور ماہر اقبالیات جگن ناتھ آزاد کے مطابق شاکر نے محروم کی بعض نظمیں اپنے نام سے چھپوائیں۔

شاکر میرٹھی کو ''زمانہ'' میں ملازمت کرتے ہوئے کچھ ہی عرصہ بیتا ہوگا کہ دیانرائن نگم کو یہ تجربہ ہوا کہ بعض اوقات دفتر ''زمانہ'' میں آئی ہوئی دوسروں کی نظمیں بھی شاکر اپنے نام سے شائع کردیتے ہیں۔ نظمیں ہی کیا دفتر سے دیگر اشیا بھی چوری کرلینے میں ماہر ہیں۔ چوری کے جرم میں شاکر کو کئی بار جیل بھی جانا پڑا اور مقدمات بھی چلے۔ ''زمانہ'' کی ملازمت کے بعد شاکر دیوان سنگھ مفتوں کے رسالے ''ریاست'' میں ملازم ہوئے۔ لیکن ملازم رکھنے سے قبل مفتوں نے دیانرائن نگم سے شاکر کے بارے میں رائے طلب کی۔ نگم نے مفتوں کو لکھا کہ شاکر صاحب دوسروں کی نظمیں چوری کرکے اپنے نام سے شائع کرنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔ ویسے بھی چوری کرنے کی ان کی عادت ہے، کوئی شے دفتر میں دیکھیں اسے چوری کرلیتے ہیں اور بہتر ہے کہ ان کو ملازم نہ رکھا جائے۔ مفتوں نے نگم کی رائے کو نظرانداز کردیا۔ لیکن ایڈیٹر ''ریاست'' کا تجربہ واقعی تلخ رہا۔ چنانچہ مفتوں لکھتے ہیں:

> ''شاکر صاحب نے دفتر ''ریاست'' میں کام شروع ہی کیا تھا کہ دفتر میں چوری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کبھی پنسلیں غائب، کبھی نبیں اڑ گئیں، کبھی ٹکٹ چوری ہوگئے اور کبھی جیب سے پیسے نکل گئے۔ ان چوریوں پر ہمیشہ چپراسیوں سے باز پرس کی جاتی اور خیال بھی نہ آتا تھا کہ شاکر صاحب مہربانی فرماتے ہوں گے...... شاکر صاحب اس کے بعد کئی برس تک دفتر ''ریاست'' میں رہے۔ 75 روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے اور بطور الاؤنس 5-6 روپے ماہوار کا ادنیٰ سامان چوری کرلے جایا کرتے تھے۔ 16

''زمانہ'' اپریل و مئی اور اگست 1914 کے شماروں میں سرور اور شاکر کے شاعرانہ تعلقات پر جو بحث شائع ہوئی اس کے جواب میں شاکر نے دو صفحے کا ضمیمہ لکھ کر ماہنامہ ''العصر'' لکھنؤ (جس کے وہ اس وقت مدیر تھے) میں شائع کیا۔ اس ضمیمے میں خود شاکر میرٹھی ہی نے ''اکسیرِ سخن'' کے متعلق بعض اہم معلومات درج کر دیں۔ جس کے اہم اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

> ''میرے مکرم میر کرامت صاحب میر امرتسری نے تحریک کی کہ میں خود کالی داس کی تصنیف کا ترجمہ کروں۔ آخر کار میں اس پر آمادہ ہوا اور ترجمے کے لیے ''رتو سنگھار'' کو انتخاب کیا۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی نظم (فصل خریف) دسمبر 1909 کے ''زمانہ'' میں شائع ہوئی۔ اس نظم کی اشاعت کے بعد ایڈیٹر صاحب ''زمانہ'' نے بقیہ تین نظمیں شائع کرنے کی غرض سے طلب کیں۔ چنانچہ دو اور نظمیں ''ہیمنت'' اور ''برکھا رُت'' انھیں دی گئیں۔ یہ تینوں نظمیں سرور مرحوم کی زندگی میں ''زمانہ'' میں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد یعنی وسط 1912 تک ایڈیٹر صاحب ''زمانہ'' نے بقیہ نظمیں طلب کیں مگر میں نے کتابی صورت میں چھپوانے کے خیال سے ان نظموں کی اشاعت مناسب نہ سمجھی۔ مگر چند ماہ بعد ہی مکری جناب دلگیر کے بے حد اصرار سے اس سلسلے کی ایک نظم ''بسنت رُت'' جو موسم کے لحاظ سے بھی باموقع تھی، انھیں بھیج دی جو مارچ 1913 کے ''نقاد'' (آگرہ) میں شائع ہوئی''۔
>
> ''اس سلسلے کی تین نظمیں سرور مبرور کی زندگی ہی میں ''زمانہ'' میں شائع ہو گئی تھیں۔ اس وقت تک صاحب زمانہ نے کوئی تدبیر نہیں کی۔ اس کے بعد 1913 کے وسط تک بھی گویا حقیقت حال سے بے خبری رہی۔ اب 1914 میں آپ کو تحقیقی طور پر ثابت ہوا

ہے کہ ''رتو سنگھار'' کا ترجمہ مسٹر شاکر کی مدد سے حضرت سرور جہان آبادی مرحوم نے کیا ہے اور اکثر نظمیں ''زمانہ'' میں ہدیۂ ناظرین ہو چکی ہیں۔اس پر آپ نے نوٹ بھی دیا کہ مسٹر شاکر نے ان نظموں کے مجموعے کو ''اکسیر سخن'' کے نام سے، اپنے نام سے شائع کیا۔

1910 میں جب ہیمنت والی نظم ''زمانہ'' میں شائع ہوئی، اس وقت تک جناب سرور کانپور ہی میں ایڈیٹر ''زمانہ'' صاحب کے مہمان تھے۔ اگر ایڈیٹر صاحب ''زمانہ'' عدم واقفیت کی وجہ سے معذور تھے تو سرور مرحوم نے کیونکر اپنی نظموں کو میرے نام سے چھپنا گوارا کیا؟''۔

''سرور مرحوم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ لہٰذا میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ بھی ان نظموں کو دیکھ لیا کریں۔ انھوں نے منظور کیا۔ اور یہ بھی لکھا کہ نثری ترجمہ بھیج دیا کیجیے تاکہ تفہیم مطالب میں آسانی ہو، اس طرح سرور کی شاعرانہ قابلیت سے میں نے استفادہ کیا''۔ 17

اگر واقعی سرور نے تفہیم مطالب کی آسانی کے لیے نثری ترجمے طلب کیے تو اس سلسلے میں شاکر میرٹھی کو وہ خطوط پیش کرنے چاہیے تھے۔ انھوں نے ایسا نہیں کیا لیکن نگم نے شاکر کے وہ تمام خطوط ضرور شائع کر دیے جن سے ''اکسیر سخن'' کی حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ دیا نرائن نگم اس راز سے نہ صرف سرور کی حیات ہی میں واقف تھے بلکہ اس کو فاش کرنے کو بھی بیتاب تھے لیکن خود سرور کے معذرت کر لینے اور اس راز کو کسی مصلحت کے تحت فاش نہ کرنے کا وعدہ کر کے مجبور ہونا پڑا۔ اس کے باوجود نگم صاحب سرور کو اس قسم کے کام سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ اس کا احساس خود سرور کو بھی تھا کہ وہ اپنے بیش بہا کلام کو کوڑیوں کے مول فروخت کر کے اپنی شاعری کے لیے اچھا نہیں کر رہے ہیں۔ دراصل وہ اپنی تنگ دستی اور شراب نوشی سے

عاجز آکر ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ انھیں اپنی اس مجبوری کا بھی شدید احساس تھا لیکن اس پر قابو پانا ان کے بس میں نہ تھا۔

دیا نرائن نگم ''زمانہ'' میں بغرضِ اشاعت سرور سے بطور خاص نظمیں فرمائش کیا کرتے تھے۔ سرور بھی برابر نظمیں ارسال کرتے رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کی سب سے زیادہ نظمیں ''زمانہ'' ہی میں شائع ہوئیں۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سرور نے رسائل کے مدیران سے اس قسم کی فرمائشوں سے معذرت کرلی۔ کیونکہ انھیں دوسروں کے کاموں بالخصوص شاکر میرٹھی کی فرمائشوں سے بالکل فرصت نہ ملتی تھی۔ خود شاکر کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاوضے کا لالچ دے کر سرور کی خدمت میں نظموں کے عنوانات اور موضوعات ارسال کیا کرتے اور جواب کے منتظر رہتے اور نظمیں پاکر اکثر معاوضہ ہضم کرجاتے۔ سرور کی جانب سے معاوضے کا تقاضہ کیا جاتا اور شاکر کوئی نہ کوئی عذر کر کے ٹال جاتے۔ سرور کی خاندانی شرافت یہ سب گوارا کرتی رہی۔ اور جب شاکر کو سرور کی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے سرور کو الٰہ آباد بلوالیا۔ سرور ان کے یہاں مقیم رہے۔ ان دنوں وہ اپنے پہلے مجموعہ کلام ''جامِ سرور'' کو ترتیب دینے کے علاوہ شاکر کے لیے برابر نظمیں کہتے رہے۔ سرور اور شاکر کے درمیان اس قسم کے شاعرانہ تعلقات کو بھانپ کر دیا نرائن نگم نے سرور کو تنبیہ کی اور ''زمانہ'' کے لیے نظمیں طلب کیں تو سرور نے انتہائی معذرت کے ساتھ انھیں لکھا۔

''مکرمی ...... تسلیم

نوازش نامہ آیا۔ مشکور فرمایا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں مکرر آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔ بخدا سخن فروشی میرا شیوہ نہیں مگر مجبور ہوں۔

معاف فرمایئے''۔18

''زمانہ'' میں سرور اور شاکر کے شاعرانہ تعلقات پر بحث کے دوران میں شاکر میرٹھی نے اپنے رسالے ''العصر'' لکھنؤ، اکتوبر 1914 میں جو ضمیمہ اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے لکھا اس کے آخر میں یہ خیال ظاہر کیا کہ رفع بدگمانی و ازالہ غلط فہمی کے خیال سے یہ چند سطور لکھنے کی ضرورت واقع ہوئی، ورنہ میں اپنا وقت اس قسم کی بحث و مباحث کی نذر نہیں کرسکتا، جن کو خدا نے

عقل وتمیز کی نعمت عطا فرمائی ہے وہ خود اپنی قوتِ فیصلہ سے کام لیں گے اور ''زمانہ'' کی اس دل شکن روش پر نفریں کریں گے۔ لیکن شاید یہ بات شاکر کے گمان میں بھی نہ ہوگی کہ دیا نرائن نگم وہ خطوط بھی شائع کردیں گے جو شاکر کے دعووں کی اصلیت ظاہر کردیں گے اور ان کی تذلیل کے باعث ہوں گے۔ چنانچہ یہاں ان خطوط کے کچھ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں جو ''اکسیر سخن'' کی حقیقت کا راز افشا کرنے کے لیے سب سے پختہ ثبوت ہیں:

''کالی داس سنسکرت کے مشہور ملک الشعرا کی چند نظموں کا اردو ترجمہ نثر موجود ہے۔ اب جب آپ کی طرف سے سلسلہ جاری ہو تو ادھر سے برابر مصالحہ ارسال ہوتا رہے۔ آپ کسی طرح خیال نہ فرمایئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کو میری ذات سے کبھی رنج نہ پہنچے گا اور حتی الامکان میں ہر طرح سے آپ کی خدمت کرنے کو تیار رہوں گا''۔ 19

''......کالی داس کی نظمیں بھی جلد ختم کرنے کی فکر کیجیے۔ ایک نظم کالی داس کی اور تیار ہے۔ یعنی ''اوس کی رُت'' وہ انشاء اللہ جلد ارسالِ خدمت کروں گا۔ آپ کچھ خیال نہ فرمایئے گا۔ یہ کوئی ایسا افسوس نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے۔ 20

''......''زمانہ'' نے ہیمنت کو شائع کیا مگر نامعلوم 6 بند کیوں چھوڑ دیے تھے اور ایک ہی صفحے کے 6 بند شائع ہوئے۔ میں نے منشی دیا نرائن کو خط لکھ کر استفسار کیا ہے''۔ 21

''کالی داس کی ایک نظم کا میں نے اردو ترجمہ کیا ہے مگر اس نظم کا نصف سے زیادہ پودوں کے ناموں سے بھرا ہوا تھا کہ جن کے اردو نام باوجود تلاش کے مجھے معلوم نہ ہو سکے۔ بایں وجہ میں نے بالفعل اس حصے کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف 19 اشعار کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر میں کوشش کرتا رہوں گا کہ بقیہ اشعار کا بھی ترجمہ

ہوجائے گا، آپ کو ارسال کردوں گا۔ وہ علاحدہ ایک نظم شمار
ہوجائے گی اور میں دونوں کو ایک کرلوں گا''۔ 22

پہلے اقتباس سے ظاہر ہے کہ شاکر نے صرف نثری ترجمہ کا اعتراف کیا ہے اور جس سلسلے کو سرور کی جانب سے جاری کرنے کی گزارش ہے وہ دراصل نثری ترجمے کو نظم کے پیرائے میں ڈھالنے کے لیے ہے۔ اقتباس کے بقیہ دو جملوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کام کے محنتانہ کے لیے ہر طرح سے تیار تھے۔ لیکن بعض خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرور کے بار بار تقاضہ کرنے پر بھی معاوضہ نہیں بھیجا گیا۔ دوسرے اقتباس میں کالی داس کی جس نظم (اوس کی رُت) کا ذکر ہے وہ ''اکسیر سخن'' میں شامل نہیں ہے۔ تیسرے اقتباس میں ''زمانہ'' (جنوری 1910) میں شائع ہونے والی نظم ''ہیمنت'' کے 6 بند غائب ہوجانے کا ذکر ہے۔ دیانرائن نگم کے مطابق انھیں ''زمانہ'' میں شائع ہونے کے لیے شاکر نے ''ہیمنت'' کی جو نقل بھیجی اس کے تین صفحوں میں سے صرف دو ہی موصول ہوئے تھے اور بیچ کا ایک صفحہ غائب تھا۔ اس طرح نظم کے اٹھارہ بندوں میں سے صرف 12 ہی شائع ہوسکے۔ اس شمارے کے شائع ہوتے ہی سرور نے انھیں (دیانرائن نگم) ادھوری نظم کے بارے میں مطلع کیا۔ اس سلسلے میں نگم لکھتے ہیں:

''اس نظم (ہیمنت) میں 18 بند تھے جو 6-6 بند کے حساب سے
تین علاحدہ علاحدہ اوراق پر لکھے ہوئے آئے اور نظم کے اول اور
آخر کے صرف 12 بند ہی درج رسالہ ہوئے۔ ''زمانہ'' بابت
جنوری 1910 کے شائع ہوتے ہی اس سہو کے متعلق جس کی مجھے
مطلق خبر نہ تھی، سب سے پہلے سرور صاحب نے لکھا۔ سرور
صاحب ان دنوں اپنے وطن جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں تھے۔
مجھے یہ معلوم تھا کہ سرور صاحب بعض صاحبوں کے لیے نظمیں کہا
کرتے ہیں۔ اس لیے معاً یہی خیال گزرا کہ یہ نظمیں بھی انھیں کی
ہیں۔ اس وقت مجھے صحیح یاد نہیں لیکن جہاں تک خیال ہوتا ہے اس
پرچے کی اشاعت کے بعد سرور کانپور آگئے۔ کیونکہ وہ اکثر ہولی

کے زمانے میں میرے پاس کانپور آجایا کرتے تھے۔ بہر نوع جب ملاقات ہوئی تو مجھے اپنے خیال کی تصدیق خود سرور صاحب سے ہوگئی۔ لیکن انھوں نے مجھ سے یہ کہہ کر کہ آج کل میری بسر اوقات انھیں کاموں پر رہ گئی ہے، مجھ سے اس واقعے کو کم از کم کچھ عرصے تک پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لے لیا۔ تاہم میرا جی نہ مانا اور میں نے اپریل یا مئی میں شاکر صاحب کو ان نظموں کے ترجمے پر مبارک باد دیتے ہوئے شاید کسی طرح یہ بھی جتا دیا کہ میں اصلیت سے بالکل ناواقف نہیں ہوں''۔ 23

اس کے جواب میں شاکر نے لکھا:

''جناب مکرمی ...... تسلیم

کارڈ ملا، مشکور ہوں۔ آپ نے نظم کو بے حد پسند فرمایا، ڈبل شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سرور صاحب کا رنگ بھلا میں کیا اڑا سکتا ہوں۔ البتہ ان کے مشورے نے میرے رنگِ سخن کو چمکا دیا ہے۔ براہِ کرم اگر نظم پر نوٹ لکھیں تو اس میں اس قسم کی داد نہ دیجیے گا۔ کیونکہ اس سے تقلید کا دھبہ لگے گا''۔ 24

خطوط کے آخری اقتباس میں ''رِتو سنگھار'' کی غالباً تیسری نظم ''شرد رُت'' کا ذکر ہے کیونکہ اس نظم میں سب سے زیادہ پودوں کے نام استعمال ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شاکر نے لکھا ہے کہ رِتو سنگھار کی نظموں کا اردو میں ترجمہ خود انھوں نے کیا ہے۔ شاکر کے احباب مثلاً دیا نرائن نگم، پریم چند وغیرہ کا بھی یہی خیال تھا کہ ''رِتو سنگھار'' کی سنسکرت نظموں کا ترجمہ شاکر نے نثر میں بطور خاکہ کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کی تردید خود شاکر کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے ''اکسیرِ سخن'' کے سلسلے میں اپنے اوپر عائد الزامات کا جواب دینے کی غرض سے قلم بند کیا۔ چنانچہ شاکر لکھتے ہیں:

''اب اصل کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔ اوائل 1909 میں بمقام

> الٰہ آباد ایک پنڈت جی سے راہ و رسم ہو جانے پر میں نے ان سے درخواست کی کہ سنسکرت نظموں کا اردو ترجمہ کرا دیجئے۔ انھوں نے یہ درخواست منظور کی۔ چنانچہ میں نے کلکتہ اور بمبئی سے متعدد انگریزی اور ہندی ترجمے بھی ''رتو سنگھار'' اور ''میگھ دوت'' کے منگائے۔ جب ''رتو سنگھار'' کا ترجمہ ہو چکا تو اسے نظم کرنے کی فکر ہوئی''۔ 25

جبکہ شاکر نے سرور کو خط میں لکھا کہ ان نظموں کا نثری ترجمہ خود انھوں نے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خود کو ''اکسیر سخن'' کا مصنف ثابت کرنے کے لیے شاکر میرٹھی نے جھوٹ پر جھوٹ بولا۔ لیکن خود ان کے بیانات نے انھیں جھوٹا ثابت کر دیا۔ غرض یہ کہ ان ثبوتوں کے بعد اب اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ ''اکسیر سخن'' میں شامل نظموں کے اصل مترجم سرور جہان آبادی ہیں نہ کہ پیارے لال شاکر میرٹھی۔

''اکسیر سخن'' کی نظموں کا راز ''زمانہ'' 15-1914 کے مختلف شماروں میں شائع شدہ بحث سے فاش ہو گیا تھا۔ دیا نرائن نگم، نوبت رائے نظر، برق دہلوی اور پریم چند نے اس کی تصدیق کی جس کے بعد شاکر میرٹھی نے چپی سادھ لی اور رسائل میں شائع ہونے کے لیے نظمیں بھیجنا بند کر دیا۔ لیکن 1941 میں شاکر نے ''اکسیر سخن'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کرا دیا۔ شاید وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب ''زمانہ'' کے انکشافات لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو گئے ہوں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ زمانے کی دھول کبھی سچ کو نہیں چاٹا کرتی۔ چنانچہ دیر سے سہی ''اکسیر سخن'' کی نظموں کی داد سرور جہان آبادی کو دی جانی چاہیے۔ جو یقیناً سرور کے شاعرانہ وقار میں اضافے کی باعث ہوگی۔

الف ناظم

حواشی:

1. محمد حسین آزاد، آبِ حیات، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ 1998، صفحہ 300
2. انتخاب العصر، دوسری جلد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1980، صفحہ 156
3. سرور جہان آبادی اور شاکر میرٹھی، مضمون مطبوعہ ہماری زبان، نئی دہلی، ستمبر 1966
4. بحوالہ بادا کرشن گوپال مغموم، سرور جہان آبادی: حیات و کلام، نامی پریس لکھنؤ 1982، صفحہ 36
5. ایضاً صفحہ 139
6. کلیاتِ پریم چند: متفرقات، مدن گوپال (مرتب)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی 2003، صفحہ 440
7. ابوالرشاد: مے دو آتشہ، مضمون مشمولہ ماہنامہ "الناظر" دسمبر 1914، صفحہ 66-65
8. پریم چند ادبیات، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1993، صفحہ 98
9. ماہنامہ "زمانہ" کانپور، جنوری 1915 صفحہ 54
10. نظر لکھنوی: سرور اور شاکر، مضمون مطبوعہ ماہنامہ "زمانہ" کانپور، اپریل و مئی 1915 صفحہ 272
11. برق دہلوی: خط مطبوعہ ماہنامہ "زمانہ" اپریل و مئی 1915
12. انتخاب "ادیب" الہ آباد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1988 صفحہ 131
13. نظر لکھنوی: سرور اور شاکر، مضمون مطبوعہ ماہنامہ "زمانہ" کانپور، اپریل و مئی 1915 صفحہ 272
14. ماہنامہ "زمانہ" کانپور، جنوری 1915
15. حکم چند نیر: سرور جہان آبادی: حیات اور شاعری، ادارۂ فروغ اردو، لکھنؤ 1968، صفحہ 155
16. دیوان سنگھ مفتوں: ناقابلِ فراموش، ریجنٹ نیوز ایجنسی، دہلی، صفحہ 79
17. انتخاب العصر، دوسری جلد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1980، صفحہ 156-155
18. بحوالہ بادا کرشن گوپال مغموم: سرور جہان آبادی: حیات و شاعری، نامی پریس لکھنؤ 1982، صفحہ 137
19. ماہنامہ "زمانہ" بابت فروری 1915، صفحہ 65
20. ایضاً صفحہ 66
21. ایضاً صفحہ 68
22. ایضاً صفحہ 66
23. پریم چند ادبیات: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1993، صفحہ 97
24. ایضاً صفحہ 98
25. ایضاً صفحہ 99

اکسیرِ سخن (نظمیں)

i گریشم
ii برکھا
iii شرد
iv ہیمنت
v ششر
vi بسنت

گریشم

آگئی گرمی کی رُت پھر اے نگارِ نازنین
شعلۂ جوالہ ہے پھر موجِ آغوشِ زمین

دھوپ میں تیزی، شعاعوں میں شرارت بڑھ چلی
پھر ہوا کے تند جھونکوں میں حرارت بڑھ چلی

چاندنی راتوں کی ہے پھر دید کے قابل بہار
پنکھیاں پھولوں کی جھلتی ہے نسیمِ خوشگوار

ٹھنڈی ٹھنڈی روح پرور ہے قمر کی روشنی
شب کے دامن میں ہے کافورِ سحر کی روشنی

تھے برنگِ دیدۂ عشاق جو چشمے پُر آب
اُڑ رہی ہے خاک ان میں صورتِ موجِ سراب

ہوچلی ہے سرد دل میں آتشِ ہیجانِ شوق
وصل کی اب وہ امنگیں ہیں، نہ وہ سامانِ شوق

....

یہ وہی موسم ہے جس میں ہے عجب لطفِ بہار
گرمیوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی ہے خوشگوار

صندل آلودہ ہے اس رُت میں حسینوں کی جبیں
دوش پر بکھرے ہوئے گیسو ہیں مارِ صندلیں
آسماں پر مہ جبینوں کا دماغِ حسن ہے
جو پسینے کا ہے قطرہ شب چراغِ حسن ہے
گھولتے ہیں قند لعلِ شکریں سے نازنیں
میٹھی باتوں میں ٹپکتا ہے زباں سے انگبیں
دید کے قابل ہے نازو بے نیازی کی ادا
سرگیں آنکھوں میں ہے افسوں طرازی کی ادا

بین کے نغموں کی ہے آواز کتنی دل نواز
درد کا ہے کچھ اثر، کچھ لذتِ سوز وگداز
ہلکے ہلکے ہیں دوپٹے صندلی زیبِ بدن
عنبر افشاں، عطرِ صندل سے ہے زلفِ پرشکن

قابلِ نظارہ ہے رنگیں اداؤں کی بہار
بدھیاں ہیں دوش پر، گردن میں ہیں پھولوں کے ہار
اک طلسمِ دلربا ہے عالمِ نیرنگِ حسن
پھوٹ نکلا ہے عجب دلکش ادا سے رنگِ حسن

دل کو مَلتی ہے دمِ رفتار تلوؤں کی حنا
اس پہ پازیبوں کی، سونے میں سوہاگا ہے صدا
شوخیِ تقریر میں ہے اک ادائے دلفریب
جس طرح ہنسوں کے نغموں کی صدائے دلفریب

ہر ادائے دلربا میں نازِ معشوقانہ ہے
سادگی میں بھی عجب اندازِ معشوقانہ ہے

یوں پسینے کے ہیں قطرے عارضِ گلرنگ پر
جس طرح پھولوں پہ شبنم کا سماں وقتِ سحر

صندلِ تر سے ہیں پھولوں کی معطر پنکھیاں
جن کی جنبش سے ہے موجِ بوئے گل بادِ وزاں

آہ! یہ عالم فریبی، یہ ادائے دلفریب
بین کے نغموں کی اُف اُف ! یہ صدائے دلفریب

جانفزا ہے کتنا عالم ہر صدائے ساز کا
ہر ترانے نے اثر پیدا کیا اعجاز کا

کچھ عجب لطفِ ترنم بین کی تانوں میں ہے
شوق کا اک حشر برپا دل کے ارمانوں میں ہے

مہ جبینوں کا ہے دلکش طرز بہر شیخ و شاب
اس پہ اک چلتا ہوا جادو ہے آغازِ شباب

گورے گورے چاند سے چہروں کا عالم دیکھ کر
زرد پڑجاتا ہے خجلت سے قمر وقتِ سحر

....

آہ! وہ تفتید گانِ آتشِ سوزِ فراق
کرچکے ہیں کام جن کا شعلہ ہائے اشتیاق

وہ وطن کے خانماں برباد جو غربت میں ہیں
جلنے والے روز و شب جو آتشِ فرقت میں ہیں

دھوپ کی وہ بھی تمازت سے ہیں گھبرائے ہوئے
ہیں زبانیں خشک اور چہرے ہیں سنولائے ہوئے

اب کہاں بادِ صبا میں وہ ادائے دلنواز
خاک اڑتی پھرتی ہے ہر سو سمومِ جانگداز

وہ روانی دامنِ صحرا کے نالوں میں کہاں
شوخیاں دلکش وہ اگلی سی غزالوں میں کہاں

خشک لب ہیں پیاس سے، ہونٹوں پہ ہے جانِ حزیں
اور بیاباں میں کہیں اک بوند پانی کی نہیں

سطحِ گردوں کو سمجھ کر چشمۂ آبِ رواں
تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے ہوکر نیم جاں

دھوپ سے ایسے ہیں گھبرائے ہوئے مارِ سیاہ
بازوئے طاؤس کے سایے میں لیتے ہیں پناہ

وشت میں شیروں پہ ہیبت ایسی ہے چھائی ہوئی
پھرتی ہے قالب میں جانِ زار گھبرائی ہوئی

پیاس کی شدت سے ہیں غاروں میں سرگرمِ خروش
ہوچلا ہے آتشِ غیض و غضب کا سرد جوش

سامنے ہوکر گزر جاتے ہیں پیلانِ دماں
کیسا حملہ؟ ضعف سے اب جست کی طاقت کہاں!

دھوپ کی شدت سے یوں آتش بجاں طاؤس ہیں
بازوئے زرّیں نہیں ہیں، شعلۂ فانوس ہیں

....

دلفریبی کا وہ عالم سبزہ زاروں میں کہاں
وہ روانی دشت و در کے آبشاروں میں کہاں
اب کہاں وہ سبزۂ نوخیز کی دلکش لہک
اب کہاں وہ دامنِ صحرا میں پھولوں کی مہک
دوڑتے پھرتے ہیں بیتابانہ شعلے آگ کے
ہیں حریف شوخیِ پروانہ شعلے آگ کے
یوں لئے شعلوں کو ہے آغوش میں اک اک شجر
جس طرح بجلی گرے ابرِ سیہ سے ٹوٹ کر
بڑھ کے پہنچے شعلے کس تیزی سے نیساں کے قریب
مشتعل ہیں اب کسی وادی کے داماں کے قریب
ٹھنڈ کچھ سوکھے ہوئے آتے ہیں صحرا میں نظر
چونچ کھولے جس پہ دم لیتی ہیں چڑیاں بیٹھ کر

....

یوں تو صحرا کے مناظر ہیں غضب کے ہولناک
اڑ رہی ہے چارسو سے دشت کے دامن میں خاک
کتنے نظارے ہیں اس موسم کے پھر بھی خوشگوار
کتنی دلکش ہے کنول کے سرخ پھولوں کی بہار
کتنا، منظر ہے سکوتِ شام کا تسکیں فزا
چاند کی کرنوں کی کتنی پیاری پیاری ہے ادا
کس قدر لذت فزا ذوقِ سماعِ ساز ہے
کتنا دلکش مہوشوں کے حسن کا انداز ہے

8

موسم گرما کی ہے کیا روح پرور چاندنی
مرہم کافور ہے زخم جگر پر چاندنی

....

برکھا

وہ فصلِ بادہ پرستوں کی جو ہے جانِ نشاط
پھر آ رہی ہے لئے ساتھ کاروانِ نشاط

جلو میں ابرِ سیہ کے ہے ہاتھیوں کی قطار
عَلَم سے برق کے گردوں پہ اڑ رہے ہیں شرار

یہ دلفریبیِ قدرت کے ہیں عجیب انداز
کہ سازِ عیش ہے قرنائے رعد کی آواز

گھٹائیں دوڑ رہی ہیں ہوا میں مستانہ
رواں فلک پہ ہے گویا جلوسِ شاہانہ

کنول سے سرخ ہیں بادل کہیں شفق آلود
گھٹا فلک پہ کہیں سرمگیں کبود کبود

زمیں پر اس لئے جھکتے ہیں بوجھ سے بادل
کہ دوشِ ناز پہ پانی کی ہے گراں چھاگل

خرامِ ناز سے یوں چل رہے ہیں جھک جھک کر
رواں چمن میں ہو جیسے نسیم رک رک کر

زمیں پہ ہے جو چھما چھم برس رہا پانی
نہیں وہ دل میں پپیہے کے سوزِ پنہانی

صدائے العطش اب اس کی آشیاں میں نہیں
کہ پیاس بجھ گئی کانٹے وہ اب زباں میں نہیں

یہ نغمے عیش و طرب کے سنا رہی ہے گھٹا
کہ بین قوس قزح کی بجا رہی ہے گھٹا

اور اُس پہ برق کا زرکش چڑھا ہوا ہے جو تار
قریب ہو کے گزرتی ہے مینہ کی جو پھوار

تو پردے پردے سے دلکش صدا نکلتی ہے
عجیب بانگِ ترنم فزا نکلتی ہے

چمن میں سبزۂ نوخیز پھوٹ نکلا ہے
زمیں پہ لوحِ زمرّد کا سب کو دھوکا ہے

....

گلوں کے عکس سے یوں سرخ ہے کنارِ زمیں
کسی عروس کا آنچل ہو جس طرح رنگیں

یہ کالی کالی گھٹائیں، یہ لطفِ منظرِ شام
ہیں سبزہ زار میں طاؤس مستِ ذوقِ خرام

لبھا رہے ہیں دلوں کو صدائے دلکش سے
زمیں پہ رقص کناں ہیں ادائے دلکش سے

برس گئے ہیں جو صحرا میں مینہ کے جھالے
نکل گئے ہیں کناروں سے دشت کے نالے

عجیب بوقلموں ہے فضائے بندھیا چل
ہرا بھرا نظرآتا ہے دور تک جنگل

کہیں ہوا کے ہیں جھونکوں سے جھومتے اشجار
لہک رہا ہے کسی سمت سبزۂ کہسار

کہیں ہیں بن میں ہری دوب چر رہے آہو
کلیلیں ہیں کسی وادی میں کررہے آہو

فضا برستی ہے صحرا میں آبشاروں پر
عجب بہار کا عالم ہے کوہساروں پر

....

یہ کالی کالی گھٹائیں، یہ شب کی تاریکی
فضائے چرخ میں ہے کس غضب کی تاریکی

اچھلتے اب نہیں گردوں پہ ڈوب کر تارے
فلک پہ اب کہیں آتے نہیں نظر تارے

خروش چرخ پہ ہے رعد کے جونالوں کا
دھڑک رہا ہے کلیجہ پری جمالوں کا

تڑپ کے برق وشوں کی نگاہ میں بجلی
چمک جو اٹھتی ہے ابرِ سیاہ میں بجلی

گلے سے عاشقوں کے، ڈر کے ہیں لپٹ جاتے
وفورِ خوف سے خلوت میں ہیں سمٹ جاتے

....

وہ مہوشیں جو بدلتی ہیں کروٹیں شب بھر
رلا رہی ہے لہوجن کو دوریِ شوہر

برس رہی ہے اُداسی اب ان کی صورت پر
جگر کی آگ قیامت ہے اک قیامت پر

نہ وہ سنگھار رہا اب، نہ ذوقِ آرائش
نہ ذوقِ زینتِ حسن، اور نہ شوقِ آرائش

کہاں وہ رنگِ حنا سے ہتھیلیوں میں بہار
کہاں گلے میں وہ پھولوں کے بھینے بھینے ہار

وہ انکھڑیوں میں کہاں اب فسونِ عشوہ و ناز
لگاوٹوں کے نگاہوں میں اب کہاں انداز

نظر میں ، ہیچ ہیں آرائشوں کے سب سامان
شبِ فراق ہے آنکھوں میں، ہے سیاہ جہان

....

تلاشِ شہد میں ہیں مکھیاں سُبک پرواز
مگر مزاج میں یہ سادگی کے ہیں انداز

کہ ناچتے کہیں آتے ہیں جب نظر طاؤس
فضائے دشت میں پھیلائے بال وپر طاؤس

ترانے گاتی ہوئی جب قریب آتی ہیں
کنول کے پھولوں کے دھوکے میں بیٹھ جاتی ہیں

....

عجب بہار کا ہے کوہسار پہ عالم
فلک سے ابرِ سیہ ہے برس رہا رم جھم
رواں ہیں کوہ کے دامن میں خوشنما جھرنے
سرود و رقص میں ہیں محوجا بجا جھرنے

بہارِ جلوۂ گل ہے جو سبزہ زاروں میں
تو دلفریبئ قدرت ہے کوہساروں میں
غضب کے روح فزا ہیں نسیم کے جھونکے
کہ موجِ آبِ بقا ہیں نسیم کے جھونکے

نہا کے مینہ کے قطروں میں جب نکھرتے ہیں
زمیں پہ ابر سے ٹکرا کے جب گزرتے ہیں
جو کیتکی کے درختوں کے پاس آتے ہیں
تو جھوم جھوم کے ہر شاخ کو جھلاتے ہیں

فضائے دشت کا منظر ہے دید کے قابل
ادائے حسنِ گلِ تر ہے دید کے قابل
کہیں کدم کے درختوں پہ چھارہی ہے بہار
ہرے ہرے کسی جانب ہیں نیم کے اشجار
شمیمِ گل سے معطر ہوا کے جھونکے ہیں
کہ موجِ بوئے گلِ تر ہوا کے جھونکے ہیں

....

یہ اُودی اُودی گھٹائیں، یہ جوشِ ابرِ بہار
سکوتِ شام میں قوسِ قزح کے نقش و نگار

یہ مہ وشوں کی ادائیں، یہ طرزِ عشوۂ وناز
یہ دلفریب تبسم، یہ برق کے انداز
یہ زعفران کے پھولوں کے بھینے بھینے ہار
یہ لمبے جوڑوں کی بندش، یہ چوٹیوں کی بہار

ہر اک ادا میں ہے رعنائی شباب کا جوش
کہ نیلے نیلے گلِ نیلوفر ہیں زینتِ گوش
غضب کا رنگ نکالا ہے مہ جبینوں نے
دوپٹے سرخ کئے زیب تن حسینوں نے

'اگر' کی بو سے معطر ہیں گل رخوں کے بدن
تو بھینی بھینی ہے زلفِ دوتا میں بوئے سمن
سوادِ شب میں ہیں سرمستِ خوابِ عیش و نشاط
پلا رہی ہیں گھٹائیں شرابِ عیش و نشاط

....

برس گئے ہیں اُمڈ کر جو دشت میں بادل
نہا کے آپ گہر میں نکھر گئے جنگل

ہرے ہرے نظر آتے ہیں ہر طرف اشجار
ہے ٹھنڈی ٹھنڈی عجب جانفزا نسیمِ بہار
کدم کے پھولوں کے دلکش کہیں مناظر ہیں
تو کیتکی کے کہیں دلربا مظاہر ہیں

عجب بہار کا عالم ہے انبساط افزا
کہ لب پہ دشت کے ہے خندۂ نشاط افزا

نہ وہ تپش ہے، نہ خورشید کی تمازت ہے
نسیم سرد میں جاں بخش اب لطافت ہے

....

سہانی رُت ہے غضب کا ہے جانفزا موسم
کہ بن کے آیا ہے دولہا یہ دلربا موسم
گلوں کے ہار ہے لایا سمن بروں کے لئے
دلہن بنانے کا ہے ساز دلبروں کے لئے
پنہا رہا ہے حسینوں کو حسن کا زیور
کدم کے پھولوں کی آیا ہے بالیاں لے کر

....

برس رہی ہے ہر اک کنج دلنشیں میں فضا
غضب کی سبزہ و گل میں ہے دلفریب ادا
مہک رہی ہے ہوا کیتکی کے پھولوں سے
بسی ہوئی ہے صبا کیتکی کے پھولوں سے
ہر اک روش پہ ہے جمگھٹ پری جمالوں کا
عجب بناؤ ہے پھولوں کے گہنے والوں کا
چمن میں کرتی ہوئیں صبح دم گل افشانی
لچک لچک کے ہیں پودوں کو دے رہیں پانی
ٹپک رہا ہے پسینہ کنول سے گالوں سے
تھکن ہے صاف عیاں دھیمی دھیمی چالوں سے

جھکے ہوئے تھے جو پانی کے بوجھ سے بادل
وہ بڑھ کے آنے لگے اب قریبِ بندھیاچل
نہیں رہی جو وہ اگلی سی طاقتِ رفتار
برستے ہیں کسی وادی میں تھک کے آخر کار

....

یہ رُت جو دل لئے جاتی ہے نازنینوں کے
ہیں جس میں عشوہ و انداز مہ جبینوں کے
یہ رُت جو جانِ لطافت شجر شجر کی ہے
یہ رُت جو روحِ رواں قالبِ بشر کی ہے
یہ رُت مدار ہے جس پر نظام ہستی کا
یہ رُت خمار ہے جس میں مدام مستی کا
یہ رُت سہانی مبارک ہو تجھ کو ، او پیاری!
ہر ایک سال کرے تیرے ساتھ غمخواری!

شرد

کیا سہانا ہے ترا آہ کنول سا چہرہ
کاس کے پھول، عروسی کا ہیں تیری سہرہ

مست ہنسوں کے گلے سے جو نکلتی ہے صدا
تیری پازیب کی جھنکار ہے دلکش گویا

تو دلہن بن کے نئی، فصلِ خریف آئی ہے
لاکھ معشوقوں سے بڑھ کر تیری رعنائی ہے

دست و پا ہیں ترے جھڑ بیریاں بن کی گویا
رونقِ حسن ہیں یہ تیرے بدن کی گویا

کاس کے پھولوں سے آنچل جو زمیں کا ہے سفید
چاندنی سے شبِ مہ کا بھی دوپٹا ہے سفید

ندیوں میں جو ہیں ہنسوں کے ادھر غول سفید
ہیں چمیلی کے بھی جھیلوں میں ادھر پھول سفید

ندیوں میں ہے عجب شان پری زادوں کی
چال مستانہ ہے ان میں ستم ایجادوں کی

مچھلیاں وہ کہ سنہری ہیں زبانیں ان کی
نازنینوں سے ہیں ملتی ہوئی شانیں ان کی

ہے کناروں پہ جو ہنسوں کے یہ جوڑوں کی قطار
ان کی گردن میں ہیں چاندی کے دلآویز یہ ہار

اور پھیلے ہوئے پشتے ہیں جو پہلو ان کے
گویا سانچے میں ڈھلے قامتِ دلجو ان کے

آسماں دوش پہ ڈالے ہے شفق کا آنچل
ہوں شگفتہ کسی تالاب میں جس طرح کنول

جلوہ گر تخت پہ ہے شوکتِ شاہانہ سے
رعب شاہی ہے عیاں جلوۂ مستانہ سے

مورچھل جھلتے ہیں انداز و ادا سے بادل
دوڑتے پھرتے ہیں تحریکِ ہوا سے بادل

کھل گئی ہے جو برس کر ابھی گھنگھور گھٹا
دامنِ ابر نظر آتا ہے ہلکا پھلکا

....

او خریف! آہ، ہے تو پھولوں کی گہنے والی
دلفریبی سے نہیں تیری ادائیں خالی

سرمہ گوں ابر سے آتا ہے نظر عرشِ بریں
گلِ دوپہری کے پھولوں سے لہکتی ہے زمیں

پھول جھیلوں میں کنول کے ہیں شگفتہ خوش رنگ
اور بھونروں کے دلوں میں ہے قیامت کی امنگ
نغمۂ شوق سے سرشار ہے سارنگ مکھی
اور کچنار کی کلیوں کا ہے رس چوس رہی
جھونکے کرتے ہیں لچکتی ہوئی شاخوں کو جو پیار
واہ کیا قابلِ نظارہ ہے پھولوں کی بہار
ٹہنی ٹہنی نے ملائم ہے نکالی کونپل
الغرض پھولوں سے کوئی نہیں خالی کونپل

....

ہے قیامت کا سماں، کیسا ہے دلکش منظر
ٹکڑے ٹکڑے دمِ نظارہ نہ کیوں کر ہو جگر
چاندنی رات ہے کیا چاند سے مکھڑے والی
نہیں گہنے سے ستاروں کے ' یہ دلہن خالی
اجلی کرنیں ہیں کہ مقیش کی جھالر ہے کوئی
یا چمکتی ہوئی یہ نور کی چادر ہے کوئی
بدلیوں کا وہ کہاں چاند کے رخ پر آنچل
اب وہ آنکھوں میں کہاں ابرِ سیہ کا کاجل
بڑھتی جاتی ہے ہر اک شب یہ عروسِ زیبا
جیسے اٹھتا ہُوا جوبن کسی دوشیزہ کا
روک لیتے ہیں جو موجوں کو کروندے کے درخت
دل میں سر پیٹ کے کہتی ہے کہ ''سنگ آمد وسخت''

قابلِ دید ہے ندی کے کنارے کی بہار
کہیں سارس کے ہیں جوڑے کہیں ہنسوں کی قطار

....

تونے اے فصلِ خریف! آ کے کھلائے وہ گل
نظر آتے ہیں پھلے پھولے کنول کے ڈنٹھل

ہنس سرگرمِ ترنم ہیں کناروں پہ کہیں
بھونرے منڈلاتے ہوئے پھرتے ہیں پھولوں پہ کہیں

یہ مناظر ہیں وہ دلکش متحیر ہے نظر
دل میں پیدا نہ ہو کیوں ان سے مسرت کا اثر

ٹھنڈی ٹھنڈی تری کرنیں ہیں سہانی اے چاند!
شبنمِ تر کا جو برساتی ہیں پانی اے چاند!

جو شبِ ماہ میں آنکھوں کو مزا دیتی ہیں
کھینچ کر حسن کی تصویر دکھا دیتی ہیں

نیچی نظروں سے وہ ہیں دل کو چُرانے والی
گرچہ ہیں جوشِ مسرت کو بڑھانے والی

خوشنما گرچہ بظاہر ہیں یہ اے چاند! مگر
چلتی ان دکھیوں کے پنڈوں پہ ہیں بن کر خنجر

ہو چکی ہیں جو ہلاکِ غمِ مرگِ شوہر
چل چکا حلق پہ پہلے ہی سے ان کے خنجر

....

عجب انداز سے بیلوں کو ہلاتی ہے نسیم
اور کروندے کے درختوں کو ہلاتی ہے نسیم
بھینی بھینی جوکناروں پہ ہوا چلتی ہے
چھیڑ کر پھول کنول کو جو صبا چلتی ہے

دمِ رفتار عجب گل ہے کھلاتی پھرتی
نوجوانوں کے دلوں کو ہے لبھاتی پھرتی
آہ! مستی پہ یہ آئے ہوئے ہنسوں کی قطار
اور سورج کے کھلائے ہوئے کنولوں کی بہار

جن کے نظارے سے جھیلوں میں ہے اک عشوہ گری
دے کے ہلکورے انھیں جھونکوں سے بادِ سحری
دیکھنے والوں کے دل صاف اڑا لیتی ہے
محوِ حیرت دمِ رفتار بنا لیتی ہے
نیلی پیلی ہے نگاہوں سے دھنک اب اوجھل
برقِ ابر پہ بجلی کی کہاں اب چھاگل

....

جگنوؤں کی ہے وہ اب شوکتِ پرواز کہاں
پر فشانی کا ہوا میں ہے وہ انداز کہاں
آسماں کی طرف اٹھتی نہیں موروں کی نظر
رہتے ہر دم ہیں زمیں پر ہی جھکائے ہوئے سر

کامِ دیو اب کبھی جاتا نہیں موروں کے قریب
ناچتے اب نظر آتے نہیں جنگل میں غریب
ہاں! مگر ہنسوں کے پاس اب ہیں سریلی تانیں
دل کو دیتی ہیں سرور ان کی نشیلی تانیں

نیب، ارجن، کدم اور دشت میں سرجا کے درخت
ان کے سائے سے بھی نفرت ہے اسے اب یک لخت

سپتا چھد کے درختوں کی ہوا اب ہے پسند
ان کا انداز پسند اِن کی ادا سب ہے پسند

شفحکا کے ہے گلوں سے چمن آراستہ اب
اک عجب پھولوں کی ہے انجمن آراستہ اب

چھوٹی چڑیاں ہیں جو اِن باغوں میں رہنے والی
خوشنما ننھے پروں کی جو ہیں گہنے والی

ٹہنی ٹہنی پہ ہیں پھولوں کی چہکتی پھرتی
اور ہیں جوشِ مسرت سے پھدکتی پھرتی

رہتی جنگل میں ہے ہرنی جو کناروں کے قریب
اس کی آنکھوں میں بھرا کیف کا جادو ہے عجیب

دل کو بے چین کئے دیتے ہیں یہ نظارے
آہ! اس رُت کے مناظر ہیں بہت ہی پیارے

پیارے پیارے یہ کلہارا کے سہانے جنگل
نیلگوں پھول یہ سوسن کے، گلابی یہ کنول

کپکپاتی ہوئی ان پر جو گزرتی ہے نسیم
شبنمِ ترمیں نہا کر جو نکھرتی ہے نسیم

ٹھنڈی ٹھنڈی جو چلا کرتی ہے ہنگامِ سحر
ٹھنڈے پڑجاتے ہیں دو جھونکوں میں لوگوں کے جگر

....

گاؤں کے پاس وہ دلکش ترو تازہ میدان
پکی جھڑبیریوں سے جن کے بھرے ہیں دامان
کردیا جن کا مویشی نے سہانا اسلوب
چر رہے ہیں خوش وخرم جو ہری دشت کی دوب
جن میں ہنسوں کی ہے تانوں کی صدا گونج رہی
اورسارس کے ہے نغموں سے ہوا گونج رہی
کیا سہانے نظر آتے ہیں یہ دلکش میدان
فرحتِ دل کو بڑھاتے ہیں یہ دلکش میدان

....

نازنینوں کی ہے کمروں کی ادا ہنسوں میں
ان کے ہے پھول سے مکھڑوں کی صفا کنولوں میں
عشوۂ چشمِ فسوں ساز ہیں یا سرخ کنول
گل رخوں کی نگہِ ناز ہیں یا سرخ کنول
بھر دیا کوٹ کے قدرت نے ہے خم موجوں میں
اور ابروئے بتاں کا خم و چم موجوں میں

....

پتیاں مہندی کی تلووں سے جو ہیں ملنے کو
گویا جھک جھک کے وہ آمادہ ہوئیں چلنے کو
اُن زمرّد کے ہے آویزوں کی ان میں رنگت
جن سے ہے گوشِ حسینانِ جہاں کو زینت

بھینے بھینے ترے ہاروں کے عجب گل ہیں اشوک
گلعذاروں کا تبسم ہیں، یہ کب گل ہیں اشوک

مہ جبینوں نے غضب کا ہے نکالا جوبن
دل کو چھینے لئے جاتا ہے نرالا جوبن
یاسمن کے گلِ نازک ہیں گندھے بالوں میں
اور گلگونہ کی سرخی کی جھلک گالوں میں

پھول کانوں میں کنول کے ہیں ادھر جلوہ فروش
بالیاں سونے کی ہلکی سی ادھر زینتِ گوش
صندل آلودہ گلے میں ہے طلائی ہیکل
زیبِ پا چاندی کی ہلکی سی جڑاؤ چھاگل

گھنگروؤں کی دمِ رفتار ہے آواز غضب
اور ہے شوخیِ رفتار کا انداز غضب
ہلکی ہلکی گُرْدھنیاں ہیں عجب زیب کمر
تا نہ ہو بارِ گراں باعثِ آسیبِ کمر

....

بدلیوں کی نہیں اب چاند کے چہرے پہ نقاب
آہ! اس رُت کا بھی دلکش ہے قیامت کا شباب

آسماں تاروں کی افشاں کو جبیں پر چن کر
مانگ میں اپنی شبِ ماہ کے گوہر چن کر
شب کو لیتا ہے تعلّی کی پری زادوں سے
حسن میں بڑھ کے ہے ظالم ستم ایجادوں سے

جھیلیں اوڑھے ہوئے ہیں آبِ رواں کی چادر
جن کے دامن میں شگفتہ ہیں گلِ نیلوفر

ہنس اِن پھولوں پہ ہیں تیرتے پھرتے باہم
آب میں آبِ زمرّد کا ہے گویا عالم
چلتی اس رُت میں ہے پھولوں سے جو ٹکرا کے نسیم
بھینی بھینی عجب انداز سے آتی ہے شمیم

....

آہ! اس رُت کی بھی ہے قابلِ نظارہ بہار
نہ زمیں پر کہیں کیچڑ، نہ کہیں گردو غبار
یہ وہ رُت ہے کہ گھٹائیں ہیں نہ جس میں بادل
یہ وہ رُت ہے کہ حسینوں کی ہے جس میں چھل بل
جس میں سورج کی شعاعوں سے کنول کھلتے ہیں
نشۂ حسن میں جھک جھک کے گلے ملتے ہیں
واہ ان پھولوں میں کیا شانِ دل آرائی ہے
ان میں شامل کسی دوشیزہ کی رعنائی ہے

....

زرد پڑجاتا ہے جب صبح کو گرؤوں پہ قمر
پھول رہ جاتے ہیں سوسن کے وہیں مرجھا کر
لب پہ رہتی نہیں وہ موجِ تبسم کی ادا
اُن حسینوں کا نظر آتا ہے ان میں نقشہ

مسکراہٹ کا نہیں جن کے لبوں پر عالم
لوٹ کر آئے نہیں جن کے بدیسی بالم

وہ مسافر ہیں جو منزل سے بہت دور غریب
اپنے معشوقوں سے ہیں آہ! جو مجبور غریب

ان کے دل سے کوئی اس رُت کی فضائیں پوچھے
یہ جو ہیں سرخ کنول ، اِن کی ادائیں پوچھے

سرخ ہر چند ہیں ڈورے ابھی کم کم اِن میں
اُن کے محبوبوں کی آنکھوں کا ہے عالم اِن میں

اور مستی پہ یہ آئے ہوئے ہنسوں کی قطار
ان کے کانوں میں ہے پازیبوں کی دلکش جھنکار

گلِ دوپہری میں ہے پھول سے چہروں کی ادا
ان گلوں میں ہے مگر حسن کے سہروں کی ادا

یہ وہ منظر ہے جو ہر گام پہ بیچاروں کو
خوں رلاتا ہے مصیبت کے گرفتاروں کو

....

یہ وہ رُت ہے کہ سجا کر ستم ایجادوں کو
ماہِ کامل کا دیا حسن پری زادوں کو

اِن کے ہونٹوں کو تبسم کی شرارت دے کر
ہلکی ہلکی گلِ دوپہری کی رنگت دے کر

اور پازیبوں کو ہنسوں کی صدائیں دے کر
اُن کے جاں بخش ترانوں کی ادائیں دے کر

چار دن کے لئے آسائشِ پہلو بن کر
آپ اڑنے کو ہے تیار پرِیرُد بن کر

....

آہ! یہ رُت ہے وہ ، جس کا ہے کنول سا چہرہ
گلعذاروں کا کہاں پھول سا ایسا چہرہ
مدھ بھری انکھڑیاں ہیں جن کی غضب کی چنچل
جس طرح روپ پہ آئے ہوئے دو لال کنول
کاس کے پھولوں کے زیور سے جو دلہن بن کر
مسکراتی ہے ادا سے گلِ سوسن بن کر
یہ سہانا تمھیں موسم ہو مسرت آگیں
جس طرح نشہ میں سرشار کوئی ماہ جبیں
دل میں لیتی ہو جوانی کی امنگوں کے مزے
بادۂ حسن کی مستانہ ترنگوں کے مزے

....

ہیمنت

آنکھ اُو غنچہ دہن! کھول کہ ہے وقتِ سحر
پودے پودے نے نکالا ہے غضب کا عالم
آہ! اس رت کا بھی ہے کتنا سہانا منظر
آبِ گوہر میں نہا دھو کے ہے نکھری شبنم
سبزہ و گل پہ برسنے لگے موتی رم جھم

آہ! دلکش ہے عجب لودھ کی کلیوں کی بہار
کیسا پھولوں پہ کنول کے ہے برستا جوبن
نئی دلہن ہیں کہ جھڑ بیریوں کے ہیں اشجار
سرخ بیروں سے ہوا جن کا گل افشاں دامن
پھول چنتی ہو کوئی جیسے چمن میں مالن

سرخ ٹیکے نہیں سیندور کے گو سینوں پر
نازنینوں کا ستم ڈھاتا ہے جوبن اب بھی

ہے وہی عشوہ گری اور وہی ترچھی ہے نظر
تیکھی تیکھی ہے غضب کی وہی چتون اب بھی
زلف، عشاق کو ڈسنے کو ہے ناگن اب بھی

نہیں ہاتھوں میں حسینوں کے طلائی کنگن
چوڑیاں ساعدِ سیمیں کو نہیں اب درکار
بازوؤں پر بھی ٹھہرنے نہیں پاتے جوشن
گھنگھروؤں کی دمِ رفتار کہاں اب جھنکار
شوخیٔ حسن سے دم بھر نہیں زیور کو قرار

اب کہاں زیبِ کمر آہ! طلائی زنجیر
اب کہاں پاؤں کے بچھوؤں کی دلآویز صدا
واہ رے! حسنِ خدا داد کی دلکش تاثیر
سادگی میں بھی ٹپکتی ہے قیامت کی ادا
کرتے پامال دلوں کو ہیں کنول سے کفِ پا

شوخیٔ حسن جو قدرت نے ہے رگ رگ میں بھری
دوشِ نازک پہ ٹھہرنے نہیں پاتا آنچل
بجلیوں کی نہیں کانوں میں وہ اب جلوہ گری
ابھرے سینوں پہ نہیں اب وہ جڑاؤ ہیکل
موتیوں کے وہ نہیں زینتِ گوش اب کنڈل

محوِ آرائشِ گیسو ہیں پری رُو کیا کیا
وصل میں سلسلۂ شوق بڑھانے کے لئے
عود میں زلف بساتی ہے کوئی ماہ لقا
نکہتِ عاشقِ شیدا کو سنگھانے کے لئے
اپنا دیوانہ شبِ وصل بنانے کے لئے

پڑگئے زرد وہ نازک بدنوں کے چہرے
ہو برا ہائے ترا، کشمکشِ شوقِ وصال
ہیں اداسی سی لئے غنچہ لبوں کے چہرے
نیلگوں، بوسوں سے مہیات ہوئے پھول سے گال
زخم خوردہ ہیں، نہ پوچھو لب پاں خوردہ کا حال

کرلیا حسن پہ قبضہ ستم ایجادوں کے
آکے جاڑے نے کیا رسمِ جفا کا آغاز
ہوش اڑائے ہوئے پھرتا ہے پری زادوں کے
کبھی زانوں پہ، کبھی سینے پہ ہے دست دراز
گرم جوشی کا نکالا ہے نرالا انداز

خوشنما کھیتوں کی مینڈوں کا نہ پوچھو عالم
کس قیامت کا ہے اک اک پہ برستا جوبن
سبز رنگوں سے نہیں حسنِ دلآویز میں کم
کوئی دوشیزہ ہے، اور ہے کوئی چوتھی کی دلہن
کہیں جھربیریاں ہیں اور کہیں چرتے ہیں ہرن

ٹھنڈی جھیلوں میں عجب حسن کی ہے جلوہ گری
مست ہنسوں کا ہیں پہنے ہوئے گویا زیور
سرخ جو پھول کنول کا ہے وہ ہے ''لال پری''
خلوتِ آب میں شبنم کی پہن کر چادر
مسکراتا ہے عجب ناز سے مثلِ دلبر

پتیاں مہندی کی پڑجاتی ہیں یوں باغ میں زرد
برف کے ساتھ ہے جب چھیڑتی بادِ سحری

جیسے بھرتی ہو برہ کے کوئی دکھیا دمِ سرد
چوس لے پھول سے گالوں کی غمِ ہجر تری
اور رواں آنکھوں سے ہو لجۂ خونِ جگری

ہلکے ہلکے ہیں عجب بادِ صبا کے جھونکے
نکہتِ گل سے حسینوں کا معطر ہے مشام
ولولے دل کے بڑھاتے ہیں ہوا کے جھونکے
کس ادا سے ہے لبِ جو کوئی سرمستِ خرام
اپنے عاشق کو پلاتی ہے مئے حسن کا جام

ہائے! بے رحمیِ عشاق و ستمگاریِ شوق
نازنینوں کے لئے ہوگئی تو آفتِ جاں
رحم آیا نہ تجھے، اُف ری! جفا کاریِ شوق
نیل بوسوں کے ہیں اب تک لبِ نازک پہ عیاں
اور سینوں پہ ہیں ناخن کے کھرونچوں کے نشاں

دیکھتی چاند سے مکھڑے کو ہے آئینے میں
ماہ وش اٹھ کے کوئی خواب سے ہنگامِ سحر
ہیں جوانی کی امنگیں جو بھری سینے میں
کاٹتی اپنے ہی دانتوں سے ہے اپنے لبِ تر
دانت عاشق کے رہے کاٹتے جن کو شب بھر

جھکی پڑتی ہیں کسی مست ادا کی آنکھیں
ہائے! شب بھر کسی بے درد نے سونے نہ دیا
کہہ رہی ہیں یہ کسی ماہ لقا کی آنکھیں
منتِ وصل نے جی کھول کے رونے نہ دیا
کشتیِ شوق کو طوفاں میں ڈبونے نہ دیا

نازنین آہ! کوئی پھولوں کے گہنے والی
بوجھ جو بن کا بھی ہے جس کو اٹھانا دوبھر
چال مستانہ ہے اور جس کی ادا متوالی
زیرِ دیوار انھیں پھینک رہی ہے مل کر
پیار جن ہاروں نے چڑھ چڑھ کے کیا چھاتی پر

شب کی جاگی ہوئی سرمست ادا ہے کوئی
مدھ بھری آنکھوں میں ہیں نیند کے ڈورے توام
خوابِ نوشیں میں ابھی ماہ لقا ہے کوئی
کالی کالی رخِ روشن پہ ہیں زلفیں برہم
حسنِ بیدار کا سونے میں عجب ہے عالم

اور اک مستِ ادا، مستِ مے ہوش ربا
دیکھ کر عاشقِ جانباز کو سرمستِ وصال
مسکراتی ہے بصد عشوۂ و انداز و ادا
دل میں آیا ہے اندوصل کی فرحت کا خیال
آتشِ حسن نے دہکا دیے وہ پھول سے گال

نازنینوں کا ہے دل چھیننے والی یہ رُت
کہیں سارس کے ہیں جوڑے، کہیں ہنسوں کی صدا
ہے دوعالم کے حسینوں سے نرالی یہ رُت
سبزہ و گل میں قیامت کی نکلتی ہے ادا
میری پیاری! تجھے یہ رُت ہو مسرت افزا

....

ششِر

نشاطِ تازہ کا لے کر پیام روح افزا
بہت دنوں میں پھر آیا ہے موسمِ سرما

جو کشت زار میں دھانوں کے پک گئے ہیں کھیت
تو دلفریب ہے صحرا میں عیشکر کی فضا

بھرا ہوا ہے ہوا میں فسونِ موسیقی
کہ سبزہ زاروں میں ہر سو ہیں ہنس نغمہ سرا

ہر ایک شخص ہے جاڑے سے کانپتا تھر تھر
خنک خنک جو ہیں جھونکے تو سرد سرد ہوا

پری وشوں نے ہے تہہ کرکے رکھ دیا اس کو
وہ زیبِ بر تھا جو اگلا لباس ہلکا سا

نہ صندلیں وہ دوپٹے ہیں دوشِ نازک پر
نہ ہلکی پھلکی وہ ریشم کی ساریوں کی ادا

لباسِ گرم کی حاجت ہے اب زمانے کو
عروسِ دہر کو درکار ہے نیا جوڑا
انگیٹھیوں میں ہے حسنِ شباب کی گرمی
ہے آگ میں کسی معشوق شعلہ وش کی ادا

وہ مہ جبینوں کا جھرمٹ کہاں ہے اب لبِ بام
کہ ناگوار ہے اب شب کو چاندنی کی فضا
اداس یوں نظر آتا ہے چاند گردوں پر
کہ جس طرح کوئی افسردہ دل ہو حور لقا

کہاں وہ مہر کے شعلے میں اب جگر سوزی
کہاں وہ دھوپ میں اگلی سی جانگداز ادا
اثر ہے چاند کی اب سبز سبز کرنوں کا
عجب نہیں کہ ہو صندل سے دردِ سر دونا

زمیں ہے برف کی بارش سے اس طرح یخ پوش
کرے سفید کوئی جیسے زیب تن جوڑا

....

گھروں میں عود کی ہیں اب انگیٹھیاں روشن
ہے جن کی بُو سے معطر نسیمِ روح افزا
شبِ وصال جو عشاق سے ہیں دوش بدوش
لگاوٹوں کی نکلتی ہے مہوشوں میں ادا

شرابِ وصل کی سرمستیاں نہ پوچھئے گا
کہ دستِ شوق ہیں گردن میں، سامنے مینا

پسند اب نہیں رنگِ حنا کی آرائش
ہے پان کا لبِ رنگیں پہ اب فقط لاکھا

لگا رہے ہیں حسیں زعفران سینوں پر
کہ لطف وصل کی ہو گرم جوشیوں کا سوا

گلوں کے ہار جو زیبِ گلو ہیں شامِ وصال
بسی ہے عنبر سارا کی بو سے زلفِ دوتا

درازئی شبِ سرما و بارِ محبتِ وصل
وہ آہ! جوشِ نزاکت، وہ نرم نرم اعضا

حجاب و شوق میں رہتی ہے کشمکش جو بہم
سحر کو اور ہی آتا ہے کچھ نظر نقشا

خمار نیند کا وہ نیم باز آنکھوں میں
جھکی ہوئی وہ نگاہیں ، وہ چتونوں کی حیا

وہ نیلے نیلے نشاں رخ پہ شب کے بوسوں کے
چھٹا ہوا لبِ نازک سے پان کا لاکھا

اڑی ہوئی سی وہ رنگت کنول سے گالوں کی
عجب ادا سے پریشاں وہ رخ پہ زلفِ دوتا

وہ ہار ٹوٹے ہوئے موتیوں کے بستر پر
وہ دستِ شوق کے لوٹے ہوئے دُرِ یکتا

وہ نیچی نیچی نگاہیں حجاب آلودہ
وہ لب پہ موجِ تبسم کی دلفریب ادا

خمارِ بادۂ شب سرخ سرخ آنکھوں میں
دمِ خرام وہ اک اک قدم پہ لغزشِ پا

سحر کو اٹھ کے بدلنا وہ ملگجی پوشاک
کہ شب کا راز کسی پر کہیں نہ ہو افشا

شراب و صحبتِ معشوق و شیشۂ گلرنگ!
یہ خوشگوار ہے موسم عجب نشاط افزا
یہ دلفریب ، مبارک ہو تجھ کو رُت پیاری!
فروغِ شعلۂ عارض ہو سرد سرد ہوا

....

بسنت

پھر بسنت آیا ہے معشوقِ پری رُو بن کر
گل رخوں کی نگہِ ناز کا جادو بن کر
بزمِ ہستی پہ جمانے کے لئے رنگ آیا
دلِ عشاق کے کرنے کو یہ چورنگ آیا

ہے یہ کس ہاتھ میں بھونروں کی قطاروں کی کمان
آم کے بَور میں ہے ناوکِ دل دوز کی شان
یہ وہ موسم ہے کہ دلکش ہیں مناظر اس کے
حیرت افزا ہیں قیامت کے مظاہر اس کے

بھینی بھینی اسی موسم میں ہوا چلتی ہے
گل کھلاتی ہوئی ہر سمت صبا چلتی ہے
پھول کھلتے ہیں جو ٹیسو کے بیابانوں میں
جان پڑجاتی ہے عشاق کے ارمانوں میں

اسی موسم میں کنول کھل کے دکھاتے ہیں بہار
جھومتے ہیں اسی موسم میں لبِ جو اشجار

آتے ہیں روپ پہ آموں کے اسی رت میں شجر
کوئل آتی ہے اسی رت میں درختوں پہ نظر

چھیڑتی ہے لبِ جو آکے ترانہ اپنا
سارے عالم کو سناتی ہے فسانہ اپنا

یہ وہ موسم ہے ٹپکتی ہے مسرت جس سے
یہ وہ رُت ہے، دلِ مضطر کو ہے راحت جس سے

شام اس رُت کی ہے یا سایۂ گیسوئے دراز
دلفریبی کا ہے ایک ایک ادا میں انداز

جلوۂ صبح ہے، یا شاہدِ رعنا کوئی
محوِ گلگشت ہے یا دلبرِ زیبا کوئی

فرحت افزا ہے عجب چاند کی کرنوں کی بہار
نشۂ حسن میں ہر ماہ لقا ہے سرشار

نازنینوں کو جو ہے مدِّنظر وضع کا پاس
زعفرانی ہے دوپٹہ تو بسنتی ہے لباس

ساریاں رنگ میں ڈوبی ہوئیں یکسر سب کی
چوٹیاں پھولوں کے ہاروں سے معطر سب کی

خوش نما ساعدِ سیمیں میں طلائی کنگن
گوری گوری وہ جبیں، اور وہ کندن سا بدن

گرمیٔ حسن سے قطرے وہ پسینے کے عیاں
اور وہ بگڑے ہوئے سیندور کے چہروں پہ نشاں

گھنگرو بجتے ہوئے پازیبوں کے چھم چھم اُف اُف
کچھ عجب شوخی رفتار کا عالم اُف اُف

نشۂ جوشِ جوانی کا خمار آنکھوں میں
نیلگوں سُرمے کے ڈوروں کی بہار آنکھوں میں

دمِ رفتار کمر کا وہ لچکنا ہردم
رخ پہ بکھرے ہوئے گیسو وہ ہوا سے برہم

مشک و صندل سے معطر تنِ زیبا سارا
غیرتِ شاخِ گلِ تر، قدِ رعنا سارا

....

بھونرے پھولوں پہ ہیں سرمستِ مئے جوشِ بہار
جھومتے ہیں اثرِ بادِ صبا سے اشجار

رقّت انگیز ہے کوئل کی سریلی آواز
کسی مہجور کے نالوں کے ہیں گویا انداز

عالمِ حسن قیامت کا ہے امرتیوں پر
کونپلیں سرخ ہیں اوڑھے ہوئے گویا چادر

ٹہنی ٹہنی ہے ہر اک بَور کے زیور سے لدی
گلستاں میں ہے ہر اک شاخِ گلِ تر سے لدی

ٹھنڈے ٹھنڈے ہیں نسیمِ سحری کے جھونکے
ایسے ہی جھونکوں سے ہوتے ہیں کلیجے ٹھنڈے

عاشقوں سے کوئی اس رُت کی فضائیں پوچھے
دلِ پُر داغ سے پھولوں کی ادائیں پوچھے

رت سہانی ہے یہ مانا کہ دلآویز بہت
آتشِ ہجر کو کرتی ہے مگر تیز بہت
چٹکیاں لیتی ہیں رہ رہ کے امنگیں دل میں
نشۂ شوق کی اٹھتی ہیں ترنگیں دل میں
نوکِ نشتر ہے رگِ جاں میں چبھوتا کوئی
دونوں ہاتھوں سے مسلتا ہے کلیجا کوئی

....

پھر بھی اس رُت کے ہیں انداز سراپا دلکش
سبھوتی ہے گلِ خوش رنگ سے کیا کیا دلکش
واہ! کس رنگ سے جنگل میں ہے ٹیسو پھولا
یا یہ جنگل کی دلہن کا قدِ دلجو پھولا
سرخ یوں پرتوِ گل سے نظر آتی ہے زمیں
جیسے آنچل ہو کسی غنچہ دہن کا رنگیں
یوں ہر اک پھول پہ ٹیسو کے برستی ہے بہار
سُرخ جیسے کسی طوطے کی نکیلی منقار
پھول شاخوں پہ ہیں کھولے ہوئے آغوشِ نشاط
بھونرے کنجوں میں ہیں سرمستِ مئے جوشِ نشاط
اُف! یہ شاخوں کا لچکنا یہ گلستاں کی فضا
دل کو بیتاب کئے دیتی ہے کوئل کی صدا
کند کے پھولوں میں اک عالمِ رعنائی ہے
یا چمن میں کوئی شرمیلی دلہن آئی ہے
مسکراتی ہیں عجب ناز سے کلیاں باہم
لب نازک پہ ہیں اندازِ تبسم کم کم

آہ! اس رُت کے مناظر ہیں وہ زہاد فریب
کہ لئے جاتے ہیں سرمایۂ آرام و شکیب
ہائے! یہ سبزۂ نوخیز یہ کنجوں کی بہار
اُف یہ کوئل کی صدا اور یہ بھونروں کی قطار

سبزۂ باغ پہ یہ شبنمِ تر کے قطرے
جیسے فیروزہ پہ ہوں آبِ گہر کے قطرے
دلفریبی کے یہ گل پیرہنوں میں انداز
گورے گالوں پہ یہ بکھرے ہوئے گیسوئے دراز

نشۂ حسن کا آنکھوں میں یہ عالم کم کم
لب جو جھوم کے گانا یہ ترانے باہم
ہے دلآویز عجب زہرہ جبینوں کی ادا
دل لئے جاتی ہے پہلو سے حسینوں کی ادا

اُف! یہ مہجور جو ہیں سوزِ دروں سے دلگیر
راحت افزا یہ مناظر ہیں انھیں آگ کے تیر

....

اُف! وہ شوریدہ و حسرت کشِ ایامِ وصال
ایک مدت سے جو غربت میں ہیں ناکامِ وصال
ان کے دل سے کوئی اندوہِ خلش کو پوچھے
صدمۂ دردِ محبت کی تپش کو پوچھے

جب زمیں پھولوں سے ٹیسو کے دہک اٹھتی ہے
اور بھی آگ جدائی کی بھڑک اٹھتی ہے

یہ وہ موسم ہے کہ کہیے جسے ہم صحبتِ عشق
جلوۂ گل سے ہے صحرا کی فضا خلوتِ عشق

دامنِ دشت میں دلکش ہے وہ چمپا کی ادا
ہر کلی میں ہے کسی شاہدِ رعنا کی ادا

ٹہنی ٹہنی ہے ہر اک آم کی بور ائی ہوئی
پھرتی ہے بادِصبا دشت میں اترائی ہوئی

پھول چمپا کے جو ہیں وقتِ سحر جلوہ فروش
بالیاں سونے کی، شاخیں ہیں کئے زینتِ گوش

خونِ عشاق بنیں ' بن کی رنگیلی کلیاں
نیچے ہیں کہ یہ ٹیسو کی نکیلی کلیاں

بور میں شانِ خدنگِ نگہِ باز کی ہے
یا لگاوٹ یہ کسی شاہدِ طناز کی ہے

سبز کنجوں میں ہے اس روپ پہ بھونروں کی قطار
جھوم کر جیسے سیہ مست اٹھے ابرِ بہار

آہ! اس رت کی ہیں کس درجہ فضائیں دلکش
ٹہنی ٹہنی پہ ہیں کوئل کی صدائیں دلکش

دل اڑائے لئے جاتی ہے حسینوں کی ادا
عیش کے نغمے کہ کوئل کی سریلی ہے صدا

یوں چمکتی ہے دہن میں دُرِ دنداں کی قطار
خوشنما جیسے کوئی کُند کی کلیوں کا ہو ہار

نشۂ حسن کا آنکھوں میں عجب ہے عالم
جس طرح سرخی ہو، پھولوں پہ کنول کے کم کم

قابلِ دید ہے اس رُت میں حسینوں کی بہار
ساریاں ہیں جو بسنتی، تو دوپٹے گلنار
آہ! یہ عشوہ گری اور یہ اندازِ حجاب
اس پہ پھر طرفہ فسوں عالمِ ریحانِ شباب
کھیلتی پھرتی ہے یہ رُت ستم ایجادوں سے
اک قیامت کی لگاوٹ ہے پری زادوں سے

....

ٹھنڈی ٹھنڈی طرب افزا یہ نسیمِ سحری
اور پھولوں پہ دمِ صبح یہ شبنم کی تری
کرنیں نکھری ہوئیں یہ چاند کی ہلکی ہلکی
پردۂ شام میں یہ رنگِ شفق کی جھلکی
چاندنی کا یہ لبِ بام سہانا منظر
سبزہ و گل کا سرِ شام سہانا منظر
شاہدِ گل کے بدن پر یہ بسنتی ساری
کوک کوئل کی گلستاں میں یہ پیاری پیاری
گونج بھونروں کی یہ ڈھاتی ہوئی جادو دل پر
یہ وہ رُت جس میں نہیں رہتا ہے قابو دل پر
یہ وہ موسم کہ اڑا جاتا ہے خواب آنکھوں سے
اور ٹپکتی ہے محبت کی شراب آنکھوں سے
تپشِ شوق کی پتلی جو پھڑک اٹھتی ہے
عشق کی آگ کلیجوں میں بھڑک اٹھتی ہے

....

ضمیمہ

i مقدمہ اکسیر سخن (اصل)

ii مقدمہ ''اکسیر سخن'' پر دیا نرائن نگم کا نوٹ

iii پریم چند کا اظہار افسوس

iv مقدمہ اکسیر سخن (ترمیم شدہ)

v سرور اور شاکر

vi سرور کے نام پیارے لال شاکر میرٹھی کے چند خطوط

vii سرور اور شاکر

مقدمہ اکسیرِ سخن (اصل)

پریم چند

کالی داس کے سوانحی حالات:

یوں تو سنسکرت ادب کی آج تک تھاہ نہیں ملی۔ایک ساگر ہے کہ جتنا ڈوبو اتنا ہی گہرا معلوم ہوتا ہے۔مگر تین شعرا بہت مشہور و معروف ہیں۔والمیک، ویاس اور کالی داس۔ان کی تصانیف ایک ایک دور کی جامع تاریخیں ہیں اور یہی ان کی شہرت کی بنیاد ہے۔والمیک سب سے متقدم تھے۔ان کے کلام میں فرض اور صداقت کا رنگ غالب ہے۔ویاس جو ان کے بعد ہوئے معرفت اور محبت کی طرف جھکے اور کالی داس نے حسن اور عشق کو اپنی فکر کی جولا نگاہ بنایا۔ ''رامائن'' والمیک کی اور ''مہابھارت'' ویاس کی مقبول عام کتابیں ہیں اور یہ دونوں ہندو دھرم کا جزو بن گئی ہیں۔مگر کالی داس کو ہم کچھ بھول سا گئے تھے۔اور اگر انگریز علما اور مصنفین نے ہماری رہنمائی نہ کی ہوتی تو شاید ہم اب تک اس زندہ جاوید شاعر کو گوشۂ بے قدری میں پڑا رہنے دیتے۔کالی داس کا اس وقت جو کچھ چرچا ہے یہ انگریزی تعلیم کی برکت ہے۔کئی صدیوں کے بعد کالی داس کا ستارہ چمکا ہے۔اور آج اس کے حالات، زمانہ، اور تصانیف پر انگریزی اخبارات اور رسائل میں بہت باتحقیق اور عالمانہ مضامین لکھے جا رہے ہیں۔ہندوستان اور

یورپ میں یکساں سرگرمی سے اس کے حالات کی تفتیش کی جارہی ہے اور اس موضوع پر کئی کتابیں مرتب ہو چکی ہیں۔

کالی داس کا سنہ ولادت اب تک نہیں تحقیق کیا جاسکا اور نہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مولد کہاں تھا۔ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ وکرمادت کی سبھا کے ایک رکن تھے اور چونکہ وکرمادت کا زمانہ حضرت عیسیٰ سے 57 برس قبل بتایا جاتا ہے اس لیے کالی داس کا زمانہ عیسیٰ کے قبل مان لیا گیا ہے مگر مؤرخین کہتے ہیں کہ عیسیٰ کے ستاون برس قبل وکرمادت نام کا کوئی راجہ نہ تھا۔ اس کی انھیں کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی۔ ان کا خیال ہے کہ کالی داس جس وکرمادت کی سبھا کے رکن تھے وہ عیسیٰ کی پانچویں صدی میں ہوا ہے۔ عیسیٰ کی تیسری صدی سے لے کر نصف چھٹی صدی تک پٹنہ میں گپت خاندان کے کئی چکرورتی راجہ ہوئے۔ ان میں سے چار راجاؤں نے وکرمادت کا لقب اختیار کیا۔ کالی داس انھیں وکرمادتوں میں سے کسی کے معاصر تھے۔ زیادہ محققین اس خیال پر متفق ہیں کہ وہ راجہ چندر گپت دوم کی سبھا کی زینت تھے۔ اور یہی خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ وراہ مہر نے جو انھیں نورتنوں میں تھے۔ اپنی ایک تصنیف ''پنچ سدھانتکا'' میں صاف لکھا ہے کہ میں نے اسے سنک 427 یعنی 505 میں ختم کیا۔ اس سے کالی داس کا عیسیٰ کی پانچویں صدی میں ہونا قابل تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب تک کوئی معتبر اور مستند تاریخی یا تحریری ثبوت نہ مل جائے اس وقت تک تحقیق کے ساتھ اس کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اور مجبوراً قیاسات ہی پر قناعت کرنا پڑے گی۔ ان کے مولد و مسکن کی نسبت علما متفق ہیں کہ کشمیر کی پاک خاک کو یہ فخر حاصل ہے اور کالی داس کی منظر نگاریوں سے اس خیال کو کسی قدر تقویت پہنچتی ہے۔

کالی داس کے سوانحی حالات پر اب تک کچھ روشنی نہیں ڈالی جاسکی۔ یہ روایت کہ پہلے وہ ایک دہقان جاہل برہمن تھے، راجہ شرودانندن کی باکمال بیٹی ودیاوتی سے ان کی شادی ہوئی، راج کماری نے بہ ذلت تمام انھیں اپنے سامنے سے نکال دیا اور کالی داس دوبارہ جب اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سنسکرت کے بڑے پنڈت ہو گئے تھے، زیادہ سے زیادہ کسی خوش اعتقاد شاعر کی گڑھت کہی جاسکتی ہے۔ تاریخ سے اسے کوئی مناسبت نہیں۔ ہر ایک بڑے شاعر کے ساتھ اس قسم کی ایک نہ ایک روایت مشہور رہے۔ تلسی داس اور سورداس حالانکہ دور اکبری میں پیدا ہوئے

مگر عقیدت مندوں نے ان کے متعلق بھی روایتیں گڑھ ڈالیں۔ اور یہ کچھ ہندوستان ہی میں مخصوص نہیں۔ جہاں سوانح نگاری کا رجحان کم تھا وہاں ایسی باتیں عام تھیں۔ شیکسپیر انگریزی ادب کا آفتاب ہے۔ مگر اس کے سوانح زندگی کو بھی غیر معمولی بنانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ انگریزی علما کا ایک زبردست گروہ شیکسپیئر کی ہستی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ حافظ اور سعدی بھی عقیدت مندوں کی ان عنایات سے کافی طور پر بہرہ ور ہو چکے ہیں اور اگر ایسی روایتوں کو کسی شاعر کی عظمت اور حسن قبول کا معیار قرار دے لیں تو غالباً بہت بڑی غلطی نہ ہوگی۔ خرق عادات کو عظمت سے خاص اُنس ہے۔ جب کوئی انسان کوئی غیر معمولی کام کرتا ہے تو عوام خود بخود اس کے غیر معمولی اسباب گڑھ لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے اولیاء کرام فقرائے باکمال اور مرسلین کے ناموں کے ساتھ انواع واقسام کی دوراز قیاس کہانیاں منسوب کردی گئی ہیں جنھیں معجزہ کا نام دے دیا گیا ہے۔ کشمیر میں سنسکرت کا عام چرچا تھا۔ یقیناً کالی داس نے حد متداول تک مروجہ علوم وادب کی تحصیل کی ہوگی۔ اس نے مناظر قدرت اور کیفیات فطرت کا مطالعہ انتہا درجہ کی دقیق نگاہ سے کیا جو ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر کے لیے لازی ہے۔ حسن وعشق کی صحبتیں بھی اس نے خوب دیکھیں۔ جس کی شاہد اس کی دقیق اور نفیس جذبہ نگاریاں ہیں اور وہ ایسے بے بہا موتی ہیں جو کسی بحر حسن وعشق کے غواص ہی کو مل سکتے ہیں۔ اس نے ہیئت اور نجوم میں بھی اعلیٰ درجہ کی دستگاہ بہم پہنچائی اور کتابی معلومات کو سیر وسیاحت سے پختہ کیا۔ وہ ہندو عروج کا زمانہ تھا۔ امر سنگھ جیسا ماہر اللیسان، وراہ مہر جیسا ہیئت داں اور دھنونتری جیسا حکیم حاذق موجود تھا۔ کالی داس جیسا شاعر بھی اسی زمانے میں پیدا ہو سکتا تھا۔ وہ بلا کا حاضر جواب اور بذلہ سنج تھا۔ اور اس کے نام کے ساتھ متعدد ظرافت آمیز قصے اور لطیفے منسوب ہیں جو زبان زد خاص وعام ہیں۔ یہ تحقیق ہوئی ہے کہ آخر عمر میں وہ سنیاسی ہو گیا تھا اور اُجین میں چھپرا ندی کے کنارے اس کی سمادھی بتلائی جاتی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس کی سمادھی جزیرہ سیلون کے حصہ جنوب میں کرندی ندی کے کنارے موجود ہے۔ دونوں میں کون سا خیال زیادہ صحیح ہے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ مگر ہم کو یقین ہے کہ جوں جوں ہندوؤں میں قومیت کے جذبات نشو ونما پائیں گے، توں توں اس زندہ جاوید شاعر کے کلام کی چرچا زیادہ ہوگی۔ اور ایک دن ضرور آئے گا جب اس کی سمادھی پر ایک عالیشان روضہ نظر آئے گا۔ اس کے

نام پر ادب وعلم کی مجلسیں قائم ہوں گی اور مندر تعمیر ہوں گے۔ جہاں اہل عقیدہ اس کے نام کی پرستش کریں گے کیونکہ وہ ایسا شاعر تھا جس کا ثانی مادر گیتی اب تک نہیں پیدا کر سکی۔

کالی داس کی شاعری:

کالی داس کی شاعری چند لفظوں میں لطیف جذبات اور مرصع خیالات کی شاعری ہے۔ متقدم شعرا کے کلام میں سادگی اور عمومیت کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ استعارے اور تشبیہات عام، جذبات سچے مگر سادہ، طرز بیان سلیس۔ اور یہی وجہ ہے کہ عوام میں متقدمین کو جو مقبولیت حاصل ہوتی ہے، اس پر متاخرین ہمیشہ رشک کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا کلام جسے ضروریات مذاق اور حالات زمانہ رنگین، لطیف اور پیچیدہ بنا دیتے ہیں، عوام کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ مگر متاخرین میں تقلید، تصنع اور افلاس مضامین کی جو عام کمزوری پائی جاتی ہے اس سے کالی داس کا کلام بالکل پاک ہے۔ رنگینی اور لطافت کے ساتھ ان کے کلام میں وہی سلاست، وہی مضمون آفرینی اور وہی کثرت خیالات موجود ہے جو متقدم شعرا کے کلام میں پائی جا سکتی ہے۔ اس کا ذہن وقار کسی خاص صنف یا رنگ میں قاصر نہیں۔ اس کی بزم آرائیاں نظامی کو شرمندہ کر دیتی ہیں اور رزم کے میدان میں فردوسی کا اشہب فکر بھی ایسی جولانیاں نہیں دکھاتا۔ صرف میگھ دوت میں حسن وعشق، فرقت اور وصال کے اس قدر جذبات موجود ہیں جن پر کسی زبان کی مایۂ شاعری کو ناز ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے ایک ایک خیال پر اہل ذوق سلیم محو حیرت ہو جاتے ہیں۔ پہلے دل وجگر پر ایک بامزہ اثر ہوتا ہے اور پھر فوراً جذبات کی لطافت، خیال کی نوعیت اور حسن بیان کو دیکھ کر حیرت ہو جاتی ہے۔ ہمارے اردو کے عشاق نے صبا کو نامہ بر بنایا۔ امیر نے اولاً یہ خدمت صبا کو سونپی اور داغ کو بھی اس سے زیادہ تیز رو اور بے نیاز دربان کوئی قاصد نظر نہ آیا۔ دو صدیوں تک صبا نے یہ خدمت انجام دی اور اب بھی اس کا گلا نہیں چھوٹا، مگر کالی داس نے ایک نیا قاصد ڈھونڈ نکالا۔ وہ میگھ یعنی ابر کو اپنا حدیث غم سناتا ہے۔ ایسی ہی جدتوں سے اس کا کلام مالا مال ہے۔ سنسکرت شعرا کی یہ خاص صفت ہے کہ وہ اپنے کلام میں مناظر فطرت کی خوب چاشنی دیتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ خیالات سدا بہار پھولوں اور پتیوں سے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کالی داس میں یہ صفت حد کمال کو پہنچ گئی ہے۔ برگ وگل کا جس حسن اسلوب اور ندرت سے اس نے استعمال کیا ہے وہ سنسکرت میں بھی کسی

دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی تشبیہات نئی نئی کونپلیں ہیں اور استعارات مہکتے ہوئے خوش رنگ پھول۔ یہ صحیح ہے کہ اردو اور فارسی کے شعرا نے بیل بوٹوں کا استعمال کیا ہے مگر ان کے پھول پتے مرجھائے ہوئے بے رنگ بے مزہ ہیں۔ ان کی بلند پروازی انھیں آسمان پر اُڑا لے گئی اور وہاں زحل اور عطارد، زہرہ اور مشتری سے ان کا تعارف کرا دیا۔ حتیٰ کہ اب کسی فارسی قصیدے کو سمجھنے کے لیے ہیئت اور فلکیات کا جاننا ضروری ہے۔ سنسکرت شاعری اس قدر بلند نہ اڑ سکی، مگر اس نے اسی دنیا کی ہر ایک چیز کو خوب غور سے دیکھا بھالا اور مطالعہ کیا۔ وہ کسی مینار کی طرح بلند نہیں، بلکہ ایک سبزہ زار کی طرح وسیع ہے جس میں ہرن کلولیں کرتے ہیں، خوش رنگ طیور چہچہاتے ہیں، سبزہ لہلہاتا ہے اور بلوریں چشمے بہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سنسکرت شاعری کو موجودات ثلاثہ سے یکساں دلچسپی ہے۔ وہ جس دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس دنیا کی ہر ایک شے سے مانوس ہے۔ اور یہ صرف شکنتلا ناٹک کا پہلا سین پڑھنے سے اس خوبی سے واضح ہو جاتا ہے جو ضبط تحریر میں نہیں آسکتا۔ ہرن اور بھونرا، مادھوی اور کیتکی، کدم اور نیم، یہ سب ہمارے سامنے آتے ہیں، بے جان اور بے حس چیزوں کی طرح نہیں۔ شاعر نے ان میں ایک جان ڈال دی ہے، وہ سب قدرت کی ہمدردی سے یکساں متصف معلوم ہوتے ہیں۔ اسی سین کو پڑھ کر مشہور جرمن شاعر گیتی پر وجد کا خاصہ طاری ہو گیا تھا اور وہ بھی محض انگریزی ترجمہ کے مطالعہ سے اور اب اس امر کو واضح کرنے کے لیے زیادہ دلیلوں کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سرور انگیز اثر جو سنسکرت شاعری ہمارے دلوں پر پیدا کرتی ہے کسی دوسری زبان کی شاعری کے امکان سے باہر ہے۔ بالخصوص اردو شاعری کے، جس کی مثال ان پودوں سے دی جا سکتی ہے جو اکثر باغوں میں مصنوعی زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں۔ مرجھائے ہوئے پتے، زرد رنگ، سمٹی ہوئی شاخیں، نہ پھل نہ پھول، فارس کا پودا ہندوستان میں لگایا گیا۔ نہ وہ زمین نہ وہ آب و ہوا، نہ دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی ہوتی ہے، نہ دل کو فرحت۔ جہاں تک تشبیہات اور منظر نگاری کا تعلق ہے اردو شاعری بڑی حد تک تصنع اور بے اصلیت کا ایک دفتر ہے۔ سنسکرت شعرا کے مناظر اور جذبات سب اسی سرزمین کے آب و گل سے خلق ہوئے ہیں اور یہی ان کی تاثیر کا راز ہے۔ دیکھیے کالی داس برکھارت میں شہد کی مکھیوں کا شہد جمع کرنا کس لطافت سے دکھاتا ہے۔

تلاشِ شہد میں ہیں مکھیاں سبک پرواز
مگر مزاج میں یہ سادگی کے ہیں انداز
کہ ناچتے کہیں آتے ہیں جب نظر طاؤس
فضائے دشت میں پھیلائے بال و پر طاؤس
ترانے گاتی ہوئی جب قریب آتی ہیں
کنول کے پھولوں کے دھوکے میں بیٹھ جاتی ہیں

....

مہک رہی ہے ہوا کیتکی کے پھولوں سے
بسی ہوئی ہے صبا کیتکی کے پھولوں سے
ہر اک روش پہ ہے جمگھٹ پری جمالوں کا
عجب بناؤ ہے پھولوں کے گہنے والوں کا
چمن میں کرتی ہوئی صبح دم گل افشانی
لچک لچک کے ہے پودوں کو دے رہی پانی

....

کہیں کدم کے درختوں پہ چھا رہی ہے بہار
ہرے ہرے کسی جانب ہیں نیم کے اشجار

....

سرو سہی، شمشاد و صنوبر کے مقابلے میں کدم اور نیم اور کیتکی کیسے مانوس معلوم ہوتے ہیں۔

قطع نظر ان شاعرانہ خوبیوں کے، کالی داس نے فطرت انسانی کا بھی بڑی غائر اور دقیق نگاہوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ انسانی طبائع کی نیرنگیوں پر اسے پورا عبور تھا۔ کن حالات میں

انسان کے دل میں کیسے جذبات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں یہ اس نے حیرت انگیز واقعیت کے ساتھ دکھائے ہیں۔ اس کے ڈرامے فطرت انسانی کے مرقع ہیں، جن کے اعضا کے تناسب، رنگوں کی موزونیت اور خدوخال کی صفائی کی تعریف کافی طور پر نہیں کی جاسکتی۔ اور عشق کی گھاتیں اور محبت کے اشارے دکنایے تو اس نے ایسی نزاکت سے دکھائے ہیں جو وجدان صحیح کو بیخود اور سرشار کردیتے ہیں۔ اس رنگ میں نہ کوئی اس کا رقیب ہے نہ ہمسر، وہ اس رنگ کا استاد ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی اس کا قلم اعتدال سے زیادہ شوخ ہو گیا ہے، کیونکہ وہ آزاد مشرب آدمی تھا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے مناکحت ہی کو انسانی محبت کا اعلیٰ ترین معیار قرار دیا ہے۔ میگھ دوت میں فرقت نصیب یکش جس معشوق کی یاد میں تڑپا ہے وہ اس کی بیوی تھی۔ ''رتو سنگھار'' میں بھی جابجا اسی کے اشارے ہیں۔

وہ مہوشیں جو بدلتی ہیں کروٹیں شب بھر
رلا رہی ہے لہو جن کو دوریٔ شوہر
برس رہی ہے اُداسی اب ان کی صورت پر
جگر کی آگ قیامت ہے اک قیامت پر

کالی داس اور شیکسپیئر:

کالی داس عام طور پر ہندوستان کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے اور اس میں مطلق مبالغہ نہیں۔ دنیا میں صرف شیکسپیئر ہی ایسا شاعر ہے جس کا اُس سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ دونوں ڈرامانویس ہیں، دونوں فطرت انسانی کے مبصر۔ ان کے خیالات، ان کی بندشیں، اکثر مقامات پر لڑ گئی ہیں۔ ایک ہی شاعرانہ دماغ قدرت کی جانب سے دونوں کو عطا ہوا تھا۔ کسی شے کو جس نگاہ سے شیکسپیئر دیکھتا ہے، اسی نگاہ سے کالی داس بھی اسے دیکھتا ہے۔ رنج وغم، حسرت وانتقام، عشق وفراق میں انسان کے دل میں کیسے جذبات موجزن ہوتے ہیں، جس خوبی سے شیکسپیئر نے دکھائے ہیں، اسی رنگینی کے ساتھ کالی داس نے بھی دکھائے ہیں۔ شیکسپیئر کے جتنے کیرکٹر ہیں وہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی

امتیازی خصوصیت موجود ہے۔ کالی داس کے کیرکٹروں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ شیکسپیئر کے میکبتھ، آتھیلو، رومیو، جولیٹ کی تصویروں کو کالی داس کے دشینت، شکنتلا، پریم بدا کی تصویروں کے مقابلے میں رکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دونوں شاعروں کو انسان کی خصلت کا کیسا علم تھا۔ شیکسپیئر اور کالی داس میں اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ شیکسپیئر کو فطرت انسانی کے کرشمے دکھانے میں زیادہ ملکہ ہے اور کالی داس کو مناظر فطرت کی تصویر نگاری میں۔ شیکسپیئر کو انسانی طبائع میں جو رسائی تھی وہی کالی داس کو قدرت کے عجائبات میں تھی۔ اسی لیے شیکسپیئر کا کلام دقیق ہے اور کالی داس کا رنگین۔ شیکسپیئر کو جس طرح اپنے متقدم اور موٴخر شعرا پر فضیلت ہے، اسی طرح کالی داس کے کلام کی رنگینی اور لطافت سنسکرت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

کالی داس کا کمالِ تبحر:

کالی داس کی نظموں اور ناٹکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن شعر اور فن عروض کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں مہارت تام رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں جا بجا فلسفیانہ خیالات بکھرے پڑے ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فلسفہ سانکھیہ اور یوگ پر عبور رکھتے تھے۔ اگر چہ وہ شیو تھے اور شیو کے اُپاسک مگر خیال ان کا ویدانت کی طرف جھکا ہوا تھا۔ آتما اور پرماتما روح اور جسم، مایا اور دنیا وغیرہ پیچیدہ روحانی مسئلوں سے انھوں نے دوران کلام میں بڑی آزادی کے ساتھ بحث کی ہے۔ علم ہیئت کا اس زمانے میں بڑا چرچا تھا۔ اُجین اس علم کا اس زمانے میں مرکز تھا۔ وراہ مہر جونامور ہیئت داں گزرا ہے، کالی داس اس کے دوستوں میں تھا۔ اور اس میں اب کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ کالی داس کو اس صیغۂ علم میں کمال حاصل تھا۔ انھوں نے خود جوتش پر ایک معرکے کی کتاب لکھی ہے جو آج تک مروّج ہے۔ ان کی جغرافیائی معلومات بھی بہت وسیع تھیں۔ انھوں نے ہندوستان کے ہر ایک گوشے میں سفر کیا تھا۔ میگھ دوت میں ان کی جغرافیہ دانی کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ جہاں کہیں بحری مناظر بیان کیے ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی چشم دید نظارہ کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ علوم نظری میں بھی ان کی نگاہ باریک اور صحیح تھی۔ جوار بھاٹا، طوفان، چندر اور سورج گہن وغیرہ

قدرتی کرشموں کے انھوں نے جو تذکرے کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق انھیں وہی علم تھا جس پر آج کے ماہرین سائنس متحد ہیں۔ اور آئین فرمانروائی کے تو وہ گویا ایک دریا تھے۔ رگھوبنس میں اول سے آخر تک راجاؤں ہی کا ذکر ہے، اس میں صدہا ایسے تلازمے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں آئینِ تاجداری سے پوری واقفیت تھی۔ راجہ کسے کہتے ہیں، اس کا کیا دھرم ہے، رعایا کے ساتھ اس کا کیسا برتاؤ ہونا چاہیے، رعایا کے اس پر کیا حقوق ہیں، ان باتوں کو جیسا کچھ کالی داس سمجھتے تھے شاید آج کے بڑے سے بڑے بادشاہوں کو بھی وہ علم نہ ہوگا۔

الغرض کالی داس ایک جامع کمالات انسان، قادرالکلام شاعر اور بحرِعلوم تھا۔ اس کی دماغی وسعت پر ہم کو حیرت ہوتی ہے۔ دنیائے تشبیہ میں دنیا کا کوئی شاعر اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتا۔ اس کی تشبیہیں ایسی موزوں، ایسی برجستہ، ایسی تصور انگیز ہیں کہ اگر انھیں شعر میں سے نکال دیجیے تو شعر بالکل بے مزہ اور بے رس ہو جاتا ہے۔ مناظر قدرت کا کوئی ایسا کرشمہ نہیں جس سے اس نے تشبیہ اخذ نہ کی ہو۔ اگرچہ ہندوستان کو اس کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے مگر دراصل وہ ہندوستان کا نہیں بلکہ دنیا کا شاعر ہے۔ ہندوستانیوں کو اس کے کلام سے جو لطف حاصل ہوتا ہے وہی کسی دوسرے ملک کے آدمی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے دنیا ایک دفتر شاعری تھی۔ جس چیز پر نگاہ ڈالی ہے اسے اپنی شاعری کا زیور بنالیا ہے۔ وید، پران، تاریخ، فلسفہ وغیرہ علوم جنھیں شعرا خشک سمجھتے ہیں اور جنھیں شاعری سے کوئی مناسبت نہیں بتلائی جاتی وہ کالی داس کے احاطۂ شاعری میں آکر کچھ اور ہی رنگ روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ موجودات عالم کو زیور شاعری سے آراستہ کرنے والا، ٹھنڈ درختوں اور ویران کھنڈروں میں وہ لطف پیدا کرنے والا جو ہرے بھرے درختوں اور آراستہ و پیراستہ محلوں سے نہ حاصل ہو سکے، ایسا خدائے سخن دنیا میں دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ اور جب تک کیفیات شاعری کے قدردان اور تماشائیان جلوہ گاہ حسن باقی رہیں گے اس وقت تک کالی داس کا نام قائم رہے گا۔ وہ سنسکرت شاعری کا بدرِ کامل ہے۔ اور جو شخص جتنا ہی شاعرانہ ذوق اور وجدان صحیح رکھتا ہے وہ کالی داس کے کلام سے اتنا ہی لطف اٹھا سکتا ہے۔

کالی داس کی تصانیف:

کالی داس کی تصانیف جن کا اب تک پتہ چلا ہے تعداد میں سولہ ہیں۔ مگر اس کی شہرت اور قبولیت کا جن کتابوں پر دارومدار ہے وہ سات سے زیادہ نہیں۔ اور ان ساتوں میں کوئی ایک کتاب اس کے بقائے دوام کے لیے کافی ہے۔ اس سبعہ سیارہ کے چار رکن چار شاعرانہ تصانیف ہیں۔ (1) رگھوبنس، (2) کمار سنبھو، (3) میگھ دوت (4) رتو سنگھار اور باقی تین وہ ڈرامے ہیں جنھوں نے نقادانِ فن کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ (1) شکنتلا، (2) وکرم اروسی (3) مالوکا گنی متر۔ مہذب دنیا میں ان تصانیف کی جو قدر و منزلت ہوئی ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو نصیب ہوئی ہو۔ یورپ کی بیشتر زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو جانا ان کی عام قبولیت کی زبردست دلیل ہے۔ ہندوستان کی تقریباً سب بھاشاؤں میں بھی ان کے ترجمے ہو گئے ہیں۔ ڈراموں کی ہردلعزیزی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ یوروپ اور امریکہ کے تھیٹروں میں کھیلے جا چکے ہیں اور کالی داس کی تصانیف سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنی تہذیب میں داخل ہو گئی ہے۔ آج ہندوستان کے مصور کالی داس کے کیرکٹروں اور منظروں کو کھینچنا اپنے کمال کا معراج سمجھتے ہیں۔ راجہ روی ورما کی تصویر ''شکنتلا پتر لیکھن'' بجائے خود حسن اور عشق کی ایک دنیا ہے جہاں قدرت نے لطف انگیز اور سرور افزا سامان درد و غم بہم کر دیے ہیں۔ ایسے ہی تخیلات اور مناظر سے کالی داس کا کلام بھرا ہوا ہے۔ ڈراموں میں اول دو کا ترجمہ اردو زبان میں بھی ہو گیا ہے۔ شکنتلا کا ترجمہ راجہ شیو پرساد مرحوم نے کیا تھا اور وکرم اروسی کا چند سال گزرے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے۔ شکنتلا کا ترجمہ اصل سنسکرت سے کیا گیا ہے اور اس لیے اصل کی لطافت بہت کچھ باقی ہے۔ وکرم اروسی غالباً انگریزی سے اردو میں آئی ہے، اس لیے اصل کی لطافت نہ پیدا ہو سکی تاہم بساغنیمت ہے۔ مگر چاروں نظموں میں سے ایک کا ترجمہ بھی اردو میں اب تک نہیں ہوا۔ اس تقصیر کی شکایت مسلمان ادیبوں سے نہیں۔ مگر ہندو حضرات کے لیے یہ بڑی ندامت کی بات ہے۔ کتنے ہی ہندو اصحاب ہیں جنھیں فن شعر سے ذوق ہے، جو غزلیں اور قصیدے لکھتے ہیں اور گل و بلبل کے قضیوں میں سر کھپاتے ہیں، مگر اتنی توفیق یا جرأت نہیں ہوتی کہ سنسکرت شعرا کے کلام سے قوم اور زبان کو فیض پہنچائیں۔ اردو شعر و سخن کا چرچا زیادہ کائستھوں اور کشمیریوں میں ہے اور یہ دونوں فرقے اب تک

عموماً سنسکرت مطالعہ سے محترز ہیں۔ مگر اب چونکہ سنسکرت کی طرف رجحان ہونے لگا ہے اس سے امید کی جاتی ہے کہ شاید کچھ دنوں میں ہم رگھوبنس، میگھ دوت اور کمار سنبھو کا اردو زبان میں مطالعہ کر سکیں۔ رہا ''رتو سنگھار'' وہ اب ''اکسیر سخن'' کے نام سے دنیائے اردو میں پہلی بار جلوہ افروز ہوتا ہے۔ حضرت شاکر نے یہ ترجمہ کر کے اردو زبان پر ایسا احسان کیا ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ایک افسوسناک کمی جو اردو شعرا اور سخن سنجوں کے لیے مایۂ ندامت تھی حضرت شاکر کی کاوشوں کی بدولت ایک حد تک پوری ہو گئی۔ ان کے شاعرانہ انہماک نے اردو پبلک کو کالی داس کے لطیف جذبات اور خیالات سے حظ اٹھانے کا موقع دیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رنگ میں انھیں پیشرو کا فخر حاصل ہے۔ نومبر 1909 میں کالی داس پر ایک مضمون رسالہ مخزن میں ان کے قلم سے نکلا تھا، اس کے دوران میں آپ نے فرمایا تھا:

> ''اگر ہمارے باکمال شعرا کالی داس کی تصنیفات کو ملاحظہ فرمائیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ ان کی طبع رسا اور بار آور قوت خیال کے لیے کیسا وسیع میدان موجود ہے۔ اور ان کی جدت پسند طبع کے لیے ان میں کیسے کیسے اچھوتے مضامین بھرے پڑے ہیں۔ اس لیے ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ ہمارے شعرائے نامدار اس طرف توجہ فرما کر نہ صرف اپنے ملک کے لٹریچر کو فائدہ پہنچائیں گے بلکہ خود بھی سچی اور لازوال شہرت حاصل کریں گے۔''

حضرت شاکر نے بمصداق اس کے کہ ''مثال تلقین سے بدرجہا بہتر ہے'' اپنے مشورہ پر خود عمل کیا ہے۔ ان کی امید انھیں کی ذات سے پوری ہو گئی۔

رتو سنگھار:

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ ''رتو سنگھار'' کالی داس کی چار اعلیٰ ترین نظموں کا ایک خاص رکن ہے۔ اس میں شاعر نے ہندوستان کے 6 موسموں کے مناظر اور تغیرات اور ان سے پیدا ہونے والے جذبات اور خیالات نہایت دلکش اسلوب سے بیان کیے ہیں۔ چونکہ اردو اور

فارسی میں تین ہی موسم مانے گئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چھوں موسموں کی یہاں تشریح کردی جائے۔

	نام موسم	ہندی مہینے	انگریزی مہینے
1	گریشم	جیٹھ-اساڑھ	جون-جولائی
2	برکھا	ساون-بھادوں	اگست-ستمبر
3	شرد	کنوار-کاتک	اکتوبر-نومبر
4	ہمنت	اگہن-پوس	دسمبر-جنوری
5	ششر	ماگھ-پھاگن	فروری-مارچ
6	بسنت	چیت-بیساکھ	اپریل-مئی

اردو اور فارسی شعرا نے موسمی جذبات کو صرف اسی حد تک اپنے اشعار میں دخل دیا ہے جہاں تک بہار اور خزاں کا تعلق ہے۔ حتیٰ کہ بہار اور خزاں بھی استعارے ہیں ایام مسرت اور ایام غم کے لیے۔ ہاں ابر سیاہ کو دیکھ کر کبھی کبھی پیر مغاں کی یاد آجاتی ہے۔

تند و پرشور، سیہ، مست، زکہار آمد
ساقیا مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ہندوستان میں موسمی جذبات معاشرت میں داخل ہوگئے ہیں۔ ہمیشہ سے ان کا عملی اظہار ہوتا آیا ہے۔ برکھا رت آئی اور گھروں میں جھولے پڑ گئے۔ ساون اور ملار کی تانیں گونجنے لگیں، نازنینوں نے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائی، جذبۂ درد محبت نے دلوں کو بے چین کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ گلیوں اور بازاروں میں بارہ ماسے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سنسکرت شعرا نے بسنت کو "رت راج" یا موسموں کا راجہ مانا ہے۔ درختوں میں نئی نئی کونپلیں نکلیں، آم کے بور کی مہک سے ہوا معطر ہوگئی، کھلیانوں میں خوشۂ زریں کے انبار لگ گئے، کوئل آم کی ڈالیوں پر بیٹھ کر کوکنے لگی، عشاق کو رونے کی سوجھی، شوق نے دلوں کو گدگدایا، معشوق اپنی بے نیازیوں کو بھول گئے، بسنت کی خود آئند صدا کانوں میں آئی۔

آئی بسنت بہار، بالم گھر نہ آئے سکھی

کالی داس نے انھیں موسمی مناظر کو اپنے جادو طراز قلم سے کھینچا ہے۔ اور اس خوبی سے کھینچا ہے کہ ہر ایک موسم کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ خصوصاً بسنت رت کا بیان ایسا لطیف، ایسا واقعیت سے لبریز اور جذبات نازک سے اس قدر مرصع ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔

بھینی بھینی اسی موسم میں ہوا چلتی ہے
گل کھلاتی ہوئی ہر سمت صبا چلتی ہے
پھول کھلتے ہیں جو ٹیسو کے بیابانوں میں
جان پڑجاتی ہے عشاق کے ارمانوں میں
آتے ہیں روپ پہ آموں کے اسی رت میں شجر
کوئل آتی ہے اسی رت میں درختوں پہ نظر
چھیڑتی ہے لب جو آکے ترانہ اپنا
سارے عالم کو سناتی ہے فسانہ اپنا
بھونرے پھولوں پہ ہیں سرمستِ مئے جوشِ بہار
جھومتے ہیں اثرِ بادِ صبا سے اشجار
چٹکیاں لیتی ہیں رہ رہ کے امنگیں دل میں
نشۂ شوق کی اٹھتی ہیں ترنگیں دل میں

کالی داس کی دیگر تصانیف کی طرح رتو سنگھار کا ترجمہ بھی یورپ کی بیشتر زبانوں میں ہوگیا ہے۔ ہندی بھاشا میں لالہ سیتا رام صاحب اور راج کمار بابو ویٹندن صاحب نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا بنگال کے مشہور مصور بابو ابندر ونا تھ ٹھاکر نے رتو سنگھار کے موسمی مناظر کی تصویریں کھینچی تھیں جو بہت مقبول ہوئیں نیز بمبئی کے مشہور و معروف مصور مسٹر دھرندھر نے بھی رتو سنگھار کے متعلق 6 تصویریں کھینچی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یورپین نقادان فن میں مختصر مگر دلآویز نظم کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مستند مورخ الفنسٹن کہتا ہے:

''ذکر جذبات کے ساتھ ساتھ یہ شاعران تمام کیفیات کی تصویر
کھینچ دیتا ہے جو ان جذبات کے محرک ہوتے اور مناظر کی
خوبیاں اور دلفریبیاں ایسے جادو کار الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ
وہ شخص بھی جو اُن پودوں اور جانوروں سے بیگانہ ہو، ہندوستانی
منظر کا خاکہ اپنے دل میں قائم کر سکتا ہے۔''

سرآمد مستشرقین مانیر ولیمس لکھتا ہے:

''اس نظم کا ایک ایک شعر کسی نہ کسی ہندوستانی منظر کی ایک مکمل اور جامع تصویر ہے۔''

نقادانِ فن کا خیال ہے کہ رتو سنگھار کالی داس کے سن شباب کی تصنیف ہے۔ اور کئی وجوہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ شباب کا زمانہ عشق و محبت اور عیش و عشرت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت تک غم کے کانٹے پہلو میں نہیں کھٹکتے اور زمانے کی سرد مہریوں کا تجربہ نہیں ہوتا۔ نوجوان شاعر کا کلام یاس و حسرت اور رنج و مصیبت کے جذبات سے خالی ہوتا ہے۔ شاعر کو محبت کی داستان، وصال کی خوشیوں اور معشوق کے راز و نیاز سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ حسرت کا راگ گائے۔ جب دل ہنستا ہو تو آنکھیں کیونکر روئیں۔ رتو سنگھار اول سے آخر تک جذبۂ الفت میں ڈوبا ہوا ہے، ارمانوں کے دن ہیں، امنگوں کی راتیں، وہ حرکت، وہ جوش، وہ بے تکلفی، وہ رنگینی، وہ تازگی، وہ چہل پہل، جو شباب کی خصوصیات ہیں اس نظم میں اول سے آخر تک بھری ہوئی ہیں۔ حسینوں کے تذکرے سے شاعر کا جی نہیں بھرتا۔ کہیں ان کے گلوں کے گجروں کا بیان ہے، کہیں ان کے حنا آلودہ ہاتھوں کا۔ شاعر نے ہر ایک موسم کو حسینوں کی نگاہ سے دیکھا ہے، ہر ایک خیال ہر ایک جذبہ، حتیٰ کہ استعارے اور تلازمے حسینوں کے حسن سے سجے ہوئے ہیں۔ یہ بھی نوجوان شاعر کی ایک خصوصیت ہے، اسے ہر ایک جگہ عورت ہی سوجھتی ہے۔ نوجوان شاعر کے دل پر کوئی جادو اتنا اثر نہیں کرتا تھا جتنا کہ جادوئے حسن۔ حسین عورت ہی اس کے جذبات کو ابھارتی اور اس کی فکر کو دوڑاتی ہے۔ حسین عورت اس کے امیدوں کی ابتدا، اس کی آرزوؤں کی انتہا اور اس کی دلفریبیوں کا مخزن ہوتی ہے۔ المختصر رتو سنگھار ایک جوان نظم ہے۔ جوانی کی خوشیوں سے منور، جوانی کی محبت سے معطر اور جوانی کی امیدوں سے معمور۔

دنیائے اردو بھی اس دلکش نظم سے روشناس ہو چکی ہے۔ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے اپنے رسالہ ''دلگداز'' میں اس کی دو تین رتوں کا ترجمہ نثر میں کیا تھا۔ جون 1904 کے ''دلگداز'' میں انھوں نے اس نظم کے متعلق ان الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔

''ہندوستان کے شیکسپیئر کالی داس نے رتو سنگھار کے نام سے چھ نظمیں چھ موسموں کے بیان میں لکھی ہیں، جن میں خاص ہندوستان کی یہ رتیں اس خوبی اور لطف کے ساتھ دکھائی ہیں کہ پڑھنے سے موسمی کیفیت کی تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں...... ان مضامین میں نئی تشبیہیں، نئے خیالات اور نئی بندشیں ہیں جو اس لٹریچر کے لیے جس کی نشو ونما ہندوستان میں ہوئی انگریزی اور فارسی لٹریچر کے طرز انشا سے زیادہ موزوں اور پر اثر ہیں۔''

اس نظم میں کالی داس کی رنگین بیانی بعض اوقات دائرۂ اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے۔ پھل جب زیادہ میٹھا ہو جاتا ہے تو اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ حضرت شاکر نے ان مقامات کو، جیسا کہ ان کا اخلاقی فرض تھا، نظر انداز کر دیا ہے، اور اب سارے مجموعے میں ایک بھی ایسا شعر نہیں جو طبائع سلیم کو مکدر کر سکے۔ ہاں وہ زاہد خشک جس کی طبیعت کو شاعری سے کوئی مس نہ ہو اب بھی بعض خیالات کو سوقیانہ اور عامیانہ سمجھ کر ناک بھوں سکوڑ سکتا ہے۔ مگر ثقات کی خشک بیانی کو شعرا کی رنگینی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی اور ان کی خردہ گیریوں سے بچنا کسی شاعر کے حیطہ امکان سے باہر ہے۔ کاش شعرائے اردو مولانا شرر کی طرح سمجھتے کہ ان مضامین کی نئی تشبیہیں، نئے خیالات اور نئی بندشیں اردو لٹریچر کے لیے انگریزی اور فارسی لٹریچر کے طرز انشا سے زیادہ موزوں ہیں۔ تو آج اردو شاعری اس قدر مطعون اور منکوب نہ ہوتی۔ مگر مولانا شرر نے بھی اس نظم کو نثر ہی میں لکھنے پر قناعت کی۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ شاعرانہ خیالات کچھ نظم ہی میں مزہ دیتے ہیں۔ نثر کے قالب میں آ کر ان کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جو مئے خوشگوار کی حلقۂ زاہدین میں، یا کسی مہوش نازنین کی لباس برہنگی میں۔ حق یہ ہے کہ کالی داس کے خیالات اردو میں نظم کرنا

بڑی عرق ریزی، کاوش اور فکر کا کام ہے۔ اور حضرت شاکر کو اردو پبلک سے حوصلہ افزا داد ملنی چاہیے۔ مولانا شوکت میرٹھی جیسے پختہ کار ادیب کے خیال میں یہ ترجمہ لاجواب ہے۔ دوسرے کا یہ حوصلہ نہیں، اس کو سہل ممتنع کہنا بجا ہے"۔

اکسیر سخن:

گو یہ ترجمہ ہے مگر حضرت شاکر نے ترجمے میں آمد کا لطف پیدا کر دیا ہے۔ سلاست اس مجموعے کی بہترین صفت ہے۔ سنسکرت کے پیچیدہ اور عمیق جذبات کو نظم کرنے میں سلاست کو ملحوظ رکھنا اور اس میں کامیاب ہو جانا شاعر کی پختہ مشقی اور قوت نظم کی دلیل ہے۔

تھے برنگِ دیدۂ عشاق جو چشمے پرآب
اڑ رہی ہے خاک ان میں صورتِ موج سراب
سطحِ گردوں کو سمجھ کر چشمۂ آبِ رواں
تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے ہو کر نیم جاں

کتنا سچا اور نیچرل خیال ہے اور کتنی خوبصورتی سے نظم کیا گیا!

دھوپ سے ایسے ہیں گھبرائے ہوئے مارِ سیاہ
بازوئے طاؤس کے سائے میں لیتے ہیں پناہ

مور سانپ کا دشمن ہے۔ مگر شدت گرمی نے ان کے حواس اس درجہ مضمحل کر دیے ہیں کہ نہ سانپ کو خوف رہا اور نہ مور کو تابِ شکار۔ اردو میں ایسے خیالات عنقا ہیں۔ اور مترجم نے قابلِ داد بلاغت سے انھیں نظم کیا ہے:

دھوپ کی شدت سے یوں آتش بجاں طاؤس ہیں
بازوئے زریں نہیں ہیں شعلۂ فانوس ہیں

کس قدر جدت آمیز، انوکھا اور اچھوتا خیال ہے۔ اختصار نظم اس پر قند مکرر!

ٹھنڈ کچھ سوکھے ہوئے آتے ہیں صحرا میں نظر
چونچ کھولے جس پہ دم لیتی ہیں چڑیاں بیٹھ کر

کیسی تصویر کھینچ دی ہے! اسی کا نام شاعری ہے۔ شاعر کی نگاہ کس قدر جز رس ہے۔ جنگلی جھڑ بیریاں اور کروندے کے درخت بھی اس سے نہیں بچے، جن کی طرف اردو شاعر کبھی بھول کر بھی آنکھ نہیں اٹھاتا!

عجب انداز سے بیلوں کو ہلاتی ہے نسیم
اور کروندے کے درختوں کو نچاتی ہے نسیم
یوں ہر اک پھول پہ ٹیسو کے برستی ہے بہار
سرخ جیسے کسی طوطے کی نکیلی منقار
پھول شاخوں پہ ہیں کھولے ہوئے آغوشِ نشاط
بھونرے کنجوں میں ہیں سرمستِ مئے جوشِ نشاط

ان مثالوں سے ناظرین پر روشن ہوگیا ہوگا کہ حضرت شاکر نے کس قدر اختصار سے کام لیا ہے۔ وہ روانی جو کسی اوریجنل نظم میں پائی جاتی ہے، یہاں اول سے آخر تک موجود ہے۔ اس امر کو زیادہ وضاحت سے دکھانے کے لیے کہ شاعر کو کس حد تک ترجمے میں کامیابی ہوئی ہے، مناسب تو یہ تھا کہ سنسکرت اشعار اور اس کا ترجمہ بالمقابل لکھے جاتے۔ مگر اردو میں سنسکرت کے سمجھنے والے بہت کم ہیں اور ان موشگافیوں سے کچھ حاصل نہیں۔

موسم گرما کی نظم کو مترجم نے کسی قدر مختصر کر دیا ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تر ایسے جانوروں کا ذکر تھا جن کے نام سے بھی اردو ناظرین مانوس نہ ہوں گے۔ کالی داس کی قادرالکلامی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی خیال کو بار بار مختلف پیرائے سے ظاہر کرتا ہے اور اس خیال کی تازگی میں فرق نہیں آتا۔ اردو جیسی کم مایہ زبان میں الفاظ کی یہ بہتات کہاں! ایسے خیالات چونکہ خوبصورتی سے نظم نہیں ہو سکتے تھے اس لیے غالباً اعادہ کے خوف سے مترجم نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ معذوری ان کی نہیں، بلکہ اردو زبان کی ہے۔

ان چند سطور پر ہم یہ مقدمہ ختم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اردو پبلک اس مجموعے کی وہی قدر کرے گی، جس کا وہ اپنے محاسن کی بنا پر مستحق ہے۔ ممکن ہے اس مثال سے بعض دیگر شعرا کو اس رنگ میں طبع آزمائی کرنے کی جرأت ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ''اکسیر سخن'' کا دنیائے اردو میں آنا ایک مبارک اور قابل یادگار واقعہ ہوگا۔

پریم چند

مقدمہ ''اکسیرِ سخن'' پر دیانرائن نگم کا نوٹ

مسٹر شاکر نے ان نظموں کے مجموعے کو ''اکسیرِ سخن'' کے نام سے اپنے نام سے شائع کیا ہے۔ ''زمانہ'' میں اشاعت کے لیے بھی یہ نظمیں ہم کو انھیں سے ملی تھیں اور ان کے آخر میں انھیں کا نام ثبت تھا مگر بعد میں ہم کو تحقیقی طور پر ثابت ہوا کہ نظموں کا نثری ترجمہ مسٹر شاکر نے کیا ہے اور ان کو نظم کا جامہ سرور مرحوم نے پہنایا ہے۔ ہمارے پاس اس کا تحریری ثبوت ہے۔ اس لیے منشی پریم چند نے اس مضمون میں ''رتو سنگھار'' کے مترجم کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں ہم نے محض اپنی ذمہ داری پر ترمیم کردی ہے۔ یہ مضمون ''اکسیرِ سخن'' کے دیباچے سے ماخوذ ہے۔ ''زمانہ'' بابت 1910 میں تین نظمیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک موسم گرما پر دوسری موسم برسات پر اور تیسری ہیمنت پر۔

(''زمانہ'' اگست 1914)

پریم چند کا اظہارِ افسوس

پریم چند کا خط بنام دیانرائن نگم

مشفق من — تسلیم!

آپ نے سرور مرحوم کے جو خطوط اور حضرت شاکر کے جو مسودے میرے پاس بھیجے ہیں انھیں دیکھنے کے بعد مجھے آپ سے کلی اتفاق ہے کہ ان نظموں (اکسیر سخن) کے اصل مصنف سرور ہیں۔ حضرت شاکر نے سنسکرت سے ضرور اردو ترجمہ کیا ہے اور نظم کے متعلق جا بجا ہدایتیں بھی کی ہیں مگر ان کاوشوں کا یہیں تک خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ اردو کے طبقۂ مصنفین میں بھی اس قسم کی بدعتیں ہوتی ہیں۔ کیسی حسرت کا مقام ہے کہ اردو پبلک کی قدر دانی نے ایسے خوش بیان سخنور کو قلیل نفع کے لیے ان ضرورتوں پر مجبور کیا۔ آپ نے میرے دیباچے میں جو ترمیم فرمائی ہے وہ بہ ہمہ وجوہ مناسب ہے۔ کاش مجھے پہلے اس کا علم ہوتا تو میں ہرگز یہ دیباچہ لکھنے کے لیے قلم نہ اٹھاتا۔

والسلام

مقدمہ اکسیرِ سخن (ترمیم شدہ)

پریم چند

یوں تو سنسکرت ادب کی آج تک تھاہ نہیں ملی۔ ایک ساگر ہے کہ جتنا ڈوبو اتنا ہی گہرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تین شعرا بہت مشہور و معروف ہیں۔ والمیک، ویاس، اور کالی داس۔ ان کی تصانیف ایک ایک دور کی جامع تاریخیں ہیں اور یہی ان کی شہرت کی بنیاد ہے۔ والمیک سب سے متقدم تھے۔ ان کے کلام میں فرض اور صداقت کا رنگ غالب ہے۔ ویاس جوان کے بعد ہوئے معرفت اور محبت کی طرف جھکے۔ اور کالی داس نے حسن اور عشق کو اپنی فکر کی جولاں گاہ بنایا۔ ''رامائن'' والمیک کی اور ''مہابھارت'' ویاس کی مقبول عام کتابیں ہیں اور یہ دونوں ہندو دھرم کا جز بن گئی ہیں۔ مگر کالی داس کو ہم کچھ بھول سے گئے تھے اور اگر انگریز علما اور مصنفین نے ہماری رہنمائی نہ کی ہوتی تو شاید ہم اب تک اس زندہ جاوید شاعر کو گوشۂ بے قدری میں پڑا رہنے دیتے۔ کالی داس کا اس وقت جو کچھ چرچا ہے یہ انگریزی تعلیم کی برکت ہے۔ کئی صدیوں کے بعد کالی داس کا ستارہ چمکا ہے۔ اور آج اس کے حالات، زمانہ اور تصانیف پر انگریزی اخبارات اور رسائل میں بہت با تحقیق اور عالمانہ مضامین لکھے جارہے ہیں۔ ہندوستان اور یورپ میں یکساں سرگرمی سے اس کے حالات کی تفتیش کی

جا رہی ہے۔ گو ابھی تک تحقیق کے ساتھ سوانحی حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

کالی داس کی شاعری چند لفظوں میں لطیف جذبات اور مرصع خیالات کی شاعری ہے۔ متقدم شعرا کے کلام میں سادگی اور عمومیت کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ استعارے اور تشبیہات عام، جذبات سچے مگر سادہ، طرز بیان سلیس اور یہی وجہ ہے کہ عوام میں متقدمین کو جو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اس پر متاخرین ہمیشہ رشک کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کا کلام جسے ضروریات مذاق اور حالات زمانہ رنگین، لطیف اور پیچیدہ بنا دیتے ہیں، عوام کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔ مگر متاخرین میں تقلید، تصنع اور افلاس مضامین کی جو عام کمزوری پائی جاتی ہے اس سے کالی داس کا کلام بالکل پاک ہے۔ رنگینی اور لطافت کے ساتھ ان کے کلام میں وہی سلاست، وہی مضمون آفرینی اور وہی کثرت خیالات موجود ہے جو متقدم شعرا کے کلام میں پائی جاسکتی ہے۔ اس کا ذہن وقار کسی خاص صنف یا رنگ میں قاصر نہیں۔ اس کی بزم آرائیاں نظامی کو شرمندہ کردیتی ہیں۔ اور رزم کے میدان میں فردوسی کا اشہب فکر بھی ایسی جولانیاں نہیں دکھاتا۔ صرف میگھ دوت میں حسن وعشق، فرقت اور وصال کے جذبات اس قدر موجود ہیں جن پر کسی زبان کی مایۂ شاعری کو ناز ہوسکتا ہے۔ اس نظم کے ایک خیال پر اہل ذوق سلیم محو حیرت ہوجاتے ہیں پہلے دل وجگر پر ایک بامزہ اثر ہوتا ہے اور پھر فوراً جذبات کی لطافت، خیال کی نوعیت اور حسن بیان کو دیکھ کر حیرت ہوجاتی ہے۔ ہمارے اردو کے عشاق نے صبا کو نامہ بر بنایا۔ امیر نے اولاً یہ خدمت صبا کو سونپی اور داغ کو بھی اس سے زیادہ تیز رو اور بے نیاز دربان کوئی قاصد نظر نہ آیا۔ دوصدیوں تک صبا نے یہ خدمت انجام دی اور اب بھی اس کا گلا نہ چھوٹا۔ کالی داس نے ایک نیا قاصد ڈھونڈ نکالا۔ وہ میگھ یعنی ابر کو اپنا حدیث غم سناتا ہے۔ ایسی ہی جدتوں سے اس کا کلام مالا مال ہے۔ سنسکرت شعرا کی یہ خاص صفت ہے کہ وہ اپنے کلام میں مناظرِ قدرت کی خوب چاشنی دیتے ہیں۔ ان کے شاعرانہ خیالات سدا بہار پھولوں اور پتیوں سے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کالی داس میں یہ صفت حد کمال کو پہنچ گئی ہے۔ برگ وگل کا جس حسن اسلوب اور ندرت سے اس نے استعمال کیا ہے وہ سنسکرت میں بھی کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کی تشبیہات نئی نئی کونپلیں ہیں اور استعارات

مہکتے ہوئے خوش رنگ پھول۔ یہ صحیح ہے کہ اردو اور فارسی کے شعرا نے بیل بوٹوں کا استعمال کیا ہے۔ مگر ان کے پھول پتے مرجھائے ہوئے بے رنگ و بے مزہ ہیں۔ ان کی بلند پروازی انھیں آسمان پر اڑا لے گئی اور وہاں زحل اور عطارد، زہرہ اور مشتری سے ان کا تعارف کرا دیا۔ حتیٰ کہ اب کسی فارسی قصیدے کو سمجھنے کے لیے ہیئت اور فلکیات کا جاننا ضروری ہے۔ سنسکرت شاعری اس قدر بلند نہ اڑ سکی، مگر اس نے اسی دنیا کی ہر چیز کو خوب غور سے دیکھا بھالا اور مطالعہ کیا۔ وہ کسی مینار کی طرح بلند نہیں بلکہ ایک سبزہ زار کی طرح وسیع ہے جس میں ہرن کلولیں کرتے ہیں۔ خوش رنگ طیور چہچہاتے ہیں، سبزہ لہلہاتا ہے اور بلوریں چشمے بہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سنسکرت شاعری کو موجودات ثلاثہ سے یکساں دلچسپی ہے۔ وہ جس دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس دنیا کی ہر ایک شئے سے مانوس ہے۔ اور یہ صرف شکنتلا ناٹک کا پہلا پارٹ پڑھنے سے اس خوبی سے واضح ہو جاتا ہے جو ضبط تحریر میں نہیں آ سکتا۔ ہرن اور بھونرا، مادھوری اور کیتکی، کدم اور نیم، یہ سب ہمارے سامنے آتے ہیں، بے جان اور بے حس چیزوں کی طرح نہیں۔ شاعر نے ان میں ایک جان ڈال دی ہے وہ سب قدرت کی ہمدردی سے یکساں متصف معلوم ہوتے ہیں۔ اس سین کو پڑھ کر مشہور شاعر گیٹی پر وجد کا عالم ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی محض انگریزی ترجمہ کے مطالعہ سے۔ اور اب اس امر کو واضح کرنے کے لیے زیادہ دلیلوں کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ سرور انگیز اثر جو سنسکرت شاعری ہمارے دلوں پر پیدا کرتی ہے۔ کسی دوسری زبان کی شاعری کے امکان سے باہر ہے۔ بالخصوص اردو شاعری کے، جس کی مثال ان پودوں سے دی جا سکتی ہے جو اکثر باغوں میں مصنوعی زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں۔ مرجھائے ہوئے پتے، زرد رنگ سمٹی ہوئی شاخیں، نہ پھل نہ پھول، فارس کا پودا ہندوستان میں لگایا گیا۔ نہ وہ زمین، نہ وہ آب وہوا، نہ دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی ہوتی ہے نہ دل کو فرحت۔ جہاں تک تشبیہات اور منظر نگاری کا تعلق ہے اردو شاعری بڑی حد تک تصنع اور بے اصلیت کا ایک دفتر ہے۔ سنسکرت شعرا کے مناظر اور جذبات سب اسی سرزمین کی آب وگل سے خلق ہوئے ہیں اور یہی ان کی تاثیر کا راز ہے۔ دیکھئے کالی داس برکھارت میں شہد کی مکھیوں کا شہد جمع کرنا کس لطافت سے دکھاتا ہے۔

تلاشِ شہد میں ہیں مکھیاں سبک پرواز
مگر مزاج میں یہ سادگی کے ہیں انداز
کہ ناچتے کہیں آتے ہیں جب نظر طاؤس
فضائے دشت میں پھیلائے بال و پر طاؤس
ترانے گاتی ہوئی جب قریب آتی ہے
کنول کے پھولوں کے دھوکے میں بیٹھ جاتی ہے
مہک رہی ہے ہوا کیتکی کے پھولوں سے
بسی ہوئی ہے صبا کیتکی کے پھولوں سے
ہر اک روش پہ ہے جمگھٹ پری جمالوں کا
عجب بناؤ ہے پھولوں کے گہنے والوں کا
چمن میں کرتی ہوئی صبح دم گل افشانی
لچک لچک کے ہے پودوں کو دے رہی پانی
کہیں کدم کے درختوں پہ چھارہی ہے بہار
ہرے ہرے کسی جانب ہیں نیم کے اشجار

سروسہی، شمشاد وصنوبر کے مقابلے میں کدم اور نیم اور کیتکی کیسے مانوس معلوم ہوتے ہیں۔

قطع نظر ان شاعرانہ خوبیوں کے، کالی داس نے فطرت انسانی کا بھی بڑی غائر اور دقیق نگاہوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ انسانی طبائع کی نیرنگیوں پر اسے پورا عبور تھا۔ کن حالات سے انسان کے دل میں کیسے جذبات اور خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اس نے حیرت انگیز واقعیت کے ساتھ دکھلائے ہیں۔ اس کے ڈرامے فطرت انسانی کے مرقع ہیں۔ جن کے اعضا کے تناسب، رنگوں کی موزونیت اور خدوخال کی صفائی کی تعریف کافی طور پر نہیں کی جاسکتی۔ اور عشق کی گھاتیں اور محبت کے اشارے وکنایے تو اس نے ایسی نزاکت سے دکھائے ہیں جو وجدان صحیح کو بیخود اور سرشار کردیتے ہیں۔ اس رنگ میں نہ کوئی اس کا رقیب ہے نہ ہمسر، وہ اس رنگ کا

استاد ہے۔ اگر چہ کبھی کبھی اس کا قلم اعتدال سے زیادہ شوخ ہوگیا ہے! کیونکہ وہ آزاد مشرب آدمی تھا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے مناکحت ہی کو انسانی محبت کا اعلیٰ ترین معیار قرار دیا ہے۔ میگھ دوت میں فرقت نصیب میکش جس معشوق کی یاد میں تڑپا ہے وہ اس کی بیوی تھی۔ رتو سنگھار میں بھی جا بجا اسی کے اشارے ہیں۔

وہ مہ وشیں جو بدلتی ہیں کروٹیں شب بھر
رلا رہی ہے لہو جن کو دوریٔ شوہر
برس رہی ہے اُداسی اب ان کی صورت پر
جگر کی آگ قیامت ہے اک قیامت پر

کالی داس عام طور پر ہندوستان کا شیکسپیئر کہا جاتا ہے اور اس میں مطلق مبالغہ نہیں۔ دنیا میں صرف شیکسپیئر ہی ایسا شاعر ہے جس کا اس سے موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ دونوں ڈرامانویس ہیں، دونوں فطرت انسانی کے مبصر۔ ان کے خیالات، ان کی بندشیں، اکثر مقامات پر لڑگئی ہیں۔ ایک ہی شاعرانہ دماغ قدرت کی جانب سے دونوں کو عطا ہوا تھا۔ کسی شئے کو جس نگاہ سے شیکسپیئر دیکھتا ہے، اسی نگاہ سے کالی داس بھی اسے دیکھتا ہے۔ رنج وغم، حسرت وانتقام، عشق وفراق میں انسان کے دل میں کیسے کیسے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ جس خوبی سے شیکسپیئر نے دکھائے ہیں اسی رنگینی کے ساتھ کالی داس نے بھی دکھائے ہیں۔ شیکسپیئر کے جتنے کیرکٹر ہیں وہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی امتیازی خصوصیت موجود ہے۔ کالی داس کے کیرکٹروں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ شیکسپیئر کے میکبتھ، اتھیلو، رومیو، جولیٹ کی تصویروں کو کالی داس کے دشینت، شکنتلا، پریم بدا کی تصویروں کو مقابلے میں رکھنے سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ ان دونوں شاعروں کو انسان کی خصلت کا کیسا علم تھا۔ شیکسپیئر اور کالی داس میں اگر کچھ فرق ہے تو یہ ہے کہ شیکسپیئر کو فطرت انسانی کے کرشمے دکھانے میں زیادہ ملکہ ہے اور کالی داس کو مناظر فطرت کی تصویر نگاری میں۔ شیکسپیئر کو انسانی طبائع میں جو رسائی تھی وہی کالی داس کو قدرت کے عجائبات میں تھی۔ اسی لیے شیکسپیئر کا کلام دقیق ہے۔ اور کالی داس کا رنگین۔ شیکسپیئر کو جس طرح اپنے مقدم اور موخر شعرا پر فضیلت ہے اسی طرح کالی داس کے کلام کی رنگینی اور لطافت سنسکرت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔

کالی داس کی نظموں اور ناٹکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن شعر اور فن عروض کے علاوہ مختلف علوم وفنون میں مہارت تام رکھتے تھے۔ ان کے کلام میں جا بجا فلسفیانہ خیالات بکھرے پڑے ہوئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فلسفہ سانکھ اور یوگ پر عبور رکھتے تھے اور شیو کے اُپاسک۔ مگر خیال ان کا ویدانت کی طرف جھکا ہوا تھا۔ آتما اور پرماتما، روح اور جسم، مایا اور دنیا وغیرہ پیچیدہ روحانی مسئلوں سے انھوں نے دوران کلام میں بڑی آزادی کے ساتھ بحث کی ہے۔ علم ہیئت کا اس زمانے میں بڑا چرچا تھا۔ اُجین اس علم کا اس زمانے میں مرکز تھا۔ وراہ مہر جو نامور ہیئت داں گزرا ہے، کالی داس کے دوستوں میں تھا۔ اور اب اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ کالی داس کو اس صیغۂ علم میں کمال حاصل تھا۔ انھوں نے خود جیوتش پر ایک معرکے کی کتاب لکھی ہے جو آج تک مروج ہے۔ ان کی جغرافیائی معلومات بھی بہت وسیع تھیں۔ انھوں نے ہندوستان کے ہر ایک گوشے میں سفر کیا تھا۔ میگھ دوت میں ان کی جغرافیہ دانی کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ جہاں کہیں بحری مناظر بیان کیے ہیں، ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی چشم دید نظارہ کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ علوم نظری میں بھی ان کی نگاہ باریک اور صحیح تھی۔ جوار بھاٹا، طوفان، چندر اور سورج گہن وغیرہ قدرتی کرشموں کے انھوں نے جو تذکرے کیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق انھیں وہی علم تھا جس پر آج کے ماہرین سائنس متحد ہیں۔ اور آئین فرماں روائی کے تو وہ گویا ایک دریا تھے۔ رگھوبنس میں اوّل سے آخر تک راجاؤں ہی کا ذکر ہے۔ اس میں صدہا ایسے تلازمے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں آئین تاجداری سے پوری واقفیت تھی۔ راجہ کسے کہتے ہیں، اس کا کیا دھرم ہے، رعایا کے ساتھ اس کا کیسا برتاؤ ہونا چاہیے، رعایا کے اس پر کیا حقوق ہیں ان باتوں کو جیسا کچھ کالی داس سمجھے تھے شاید آج بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی وہ علم نہ ہوگا۔

الغرض کالی داس ایک جامع کمالات انسان، قادر الکلام شاعر اور بحر علوم تھا۔ اس کی دماغی وسعت پر ہم کو حیرت ہوتی ہے۔ دنیائے تشبیہہ میں دنیا کا کوئی شاعر اس سے آنکھیں نہیں ملا سکتا۔ اس کی تشبیہیں ایسی موزوں، ایسی برجستہ، ایسی تصور انگیز ہیں کہ اگر انھیں شعر میں سے نکال دیجیے تو شعر بالکل بے مزہ اور بے رس ہو جاتا ہے۔ مناظر قدرت کا کوئی ایسا کرشمہ نہیں جس

سے اس نے تشبیہ اخذ نہ کی ہو۔ اگر چہ ہندوستان کو اس کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے مگر دراصل وہ ہندوستان کا نہیں بلکہ تمام دنیا کا شاعر ہے۔ ہندوستانیوں کو اس کے کلام سے جو لطف حاصل ہوسکتا ہے وہی کسی دوسرے ملک کے آدمی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے دنیا ایک دفتر شاعری تھی۔ جس چیز پر نگاہ ڈالی ہے اسے اپنی شاعری کا زیور بنالیا ہے۔ وید، پران، تاریخ، فلسفہ وغیرہ علوم جنھیں شعرا خشک سمجھتے ہیں اور جنھیں شاعری سے کوئی مناسبت نہیں بتلائی جاتی، وہ کالی داس کے احاطۂ شاعری میں آکر کچھ اور ہی رنگ روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ موجوداتِ عالم کو شاعری سے آراستہ کرنے والا، ٹھنڈ درختوں اور ویران کھنڈروں میں وہ لطف پیدا کرنے والا، جو ہر بھرے درختوں اور آراستہ و پیراستہ محلوں سے نہ حاصل ہوسکے۔ ایسا خدائے سخن دنیا میں دوسرا نہیں پیدا ہوا اور جب تک کیفیاتِ شاعری کے قدر دان اور تماشائیانِ جلوہ نگاہ حسن باقی رہیں گے، اس وقت تک کالی داس کا نام قائم رہے گا۔ وہ سنسکرت شاعری کا بدرِ کامل ہے اور جو شخص جتنا ہی شاعرانہ ذوق اور وجدان صحیح رکھتا ہے، وہ کالی داس کے کلام سے اتنا ہی لطف اٹھا سکتا ہے۔

کالی داس کی تصانیف جن کا اب تک پتہ چلا ہے تعداد میں سولہ ہیں۔ مگر ان کی شہرت اور مقبولیت کا جن کتابوں پر دارومدار ہے وہ سات سے زیادہ نہیں۔ اور ان ساتوں میں کوئی ایک کتاب اس کے بقائے دوام کے لیے کافی ہے۔ اس سبعہ سیارہ کے چار رکن چار شاعرانہ تصانیف ہیں: (1) رگھوبنس، (2) کمار سنبھو، (3) میگھ دوت اور (4) رتو سنگھار۔ اور باقی تین وہ ڈرامے ہیں جنھوں نے نقادانِ فن کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ (1) شکنتلا، (2) وکرم اروسی، (3) مالوکا گنی متر۔ مہذب دنیا میں ان تصانیف کی جو قدر و منزلت ہوئی ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو نصیب ہوئی ہو۔ یورپ کی بیشتر زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوجانا ان کی عام قبولیت کی زبردست دلیل ہے۔ ہندوستان کی تقریباً سب زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہوگئے ہیں۔ ڈراموں کی ہر دلعزیزی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ یورپ اور امریکہ کے تھیٹروں میں کھیلے جاچکے ہیں اور کالی داس کی تصانیف سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنی تہذیب میں داخل ہوگئی ہے۔ آج ہندوستان کے مصور کالی داس کے کیرکٹروں اور منظروں کو کھینچنا اپنے کمال کا معراج سمجھتے ہیں۔ راجہ روی ورما کی تصویر ''شکنتلا پتر'' بجائے خود حسن اور عشق کی ایک دنیا ہے۔ جہاں قدرت نے

لطف انگیز اور سرور افزا سامان دردوغم بہم کردیے ہیں۔ ایسے ہی تخیلات اور مناظر سے کالی داس کا کلام بھرا ہوا ہے۔ ڈراموں میں اوّل دو کا ترجمہ اردو زبان میں بھی ہوگیا ہے۔ شکنتلا کا ترجمہ راجہ شیو پرشاد مرحوم نے کیا تھا اور وکرم اروسی کا چند سال گزرے مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے۔ شکنتلا کا ترجمہ اصل سنسکرت سے کیا گیا ہے۔ اور اس لیے اصل کی لطافت کچھ باقی ہے۔ وکرم اروسی غالباً انگریزی سے اردو میں آئی ہے۔ اس لیے اصل لطافت نہ پیدا ہوسکی تاہم بساغنیمت ہے۔ مگر چاروں نظموں میں سے ایک کا ترجمہ بھی اردو میں اب تک نہیں ہوا۔ اس تقصیر کی شکایت مسلمان ادیبوں سے نہیں۔ مگر ہندو حضرات کے لیے یہ بڑی ندامت کی بات ہے۔ کتنے ہی ہندو اصحاب ہیں جنھیں فنِ شعر سے ذوق ہے۔ جو غزلیں اور قصیدے لکھتے ہیں اور گل وبلبل کے قضیوں میں سر کھپاتے ہیں۔ مگر اتنی توفیق یا جرأت نہیں ہوتی کہ سنسکرت شعرا کے کلام سے قوم اور زبان کو فیض پہنچائیں۔ اردو شعر وسخن کا چرچا زیادہ تر کائستھوں اور کشمیریوں میں ہے اور یہ دونوں فرقے اب تک عموماً سنسکرت کے مطالعہ سے محترز ہیں۔ مگر اب چونکہ سنسکرت کی طرف رجحان ہونے لگا ہے اس سے امید کی جاتی ہے کہ شاید کچھ دنوں میں ہم رگھوبنس، میگھ دوت اور کمار سنبھو کا اردو زبان میں مطالعہ کرسکیں۔ رہا ''رتو سنگھار'' اس کا ترجمہ مسٹر شاکر کی مدد سے حضرت سرور مرحوم نے کیا ہے اور اکثر موسموں کی نظمیں زمانہ میں ہدیۂ ناظرین ہوچکی ہیں۔

ہم لکھ چکے ہیں کہ ''رتو سنگھار'' کالی داس کی چار اعلیٰ ترین نظموں کا ایک خاص رکن ہے۔ اس میں شاعر نے ہندوستان کے چھ موسموں کے مناظر اور تغیرات اور ان سے پیدا ہونے والے جذبات اور خیالات نہایت دلکش اسلوب سے بیان کیے ہیں۔ چونکہ اردو فارسی میں تین ہی موسم مانے گئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چھؤں موسموں کی یہاں تشریح کردی جائے۔

نمبر شمار	نام موسم	ہندی مہینے	انگریزی مہینے
1	گریشم	جیٹھ-اساڑھ	جون-جولائی
2	برکھا	ساون-بھادو	اگست-ستمبر
3	شرد	کنوار-کاتک	اکتوبر-نومبر

4	ہیمنت	اگھن-پوس	دسمبر-جنوری
5	ششر	ماگھ-پھاگن	فروری-مارچ
6	بسنت	چیت-بیساکھ	اپریل-مئی

اردو اور فارسی شعرا نے موسمی جذبات کو صرف اسی حد تک اپنے اشعار میں دخل دیا ہے، جہاں تک بہار اور خزاں کا تعلق ہے حتیٰ کہ بہار اور خزاں بھی استعارے ہیں ایام مسرت اور ایام غم کے لیے۔ ہاں ابرِ سیاہ کو دیکھ کر کبھی کبھی پیر مغاں کی یاد آ جاتی ہے۔

تند و پرشور، سیہ مست، زکہسار آمد
ساقیا مژدہ کہ ابرآمد و بسیار آمد

ہندوستان میں موسمی جذبات معاشرت میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہمیشہ سے ان کا عملی اظہار ہوتا آیا ہے۔ برکھا رت آئی اور گھروں میں جھولے پڑ گئے۔ ساون اور ملار کی تانیں گونجنے لگیں۔ نازنیوں نے ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائی، جذبۂ دردمحبت نے دلوں کو بے چین کرنا شروع کیا حتیٰ کہ گلیوں اور بازاروں میں بارہ ماسے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سنسکرت شعرا نے بسنت کو ''رت راج'' یا موسموں کا راجہ مانا ہے۔ درختوں میں نئی نئی کونپلیں نکلیں، آم کے بور کی مہک سے ہوا معطر ہوگئی، کھلیانوں میں خوشئہ زریں کے انبار لگ گئے، کوئل آم کی ڈالیوں پر بیٹھ کر کوکنے لگی، عشاق کو رونے کی سوجھی، شوق نے دلوں کو گدگدایا، معشوق اپنی بے نیازیوں کو بھول گئے، بسنت کی خوش آئند صدا کانوں میں آئی۔

آئی بسنت بہار، بالم گھر نہ آئے سکھی

کالی داس نے انہی موسمی مناظر کو اپنے جادو طراز قلم سے کھینچا ہے اور اس خوبی سے کھینچا ہے کہ ہر ایک موسم کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ خصوصاً بسنت رت کا بیان ایسا لطیف، ایسا واقعیت سے لبریز اور جذبات نازک سے اس قدر مرصع ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

پھول کھلتے ہیں جوئیسو کے بیابانوں میں
جان پڑ جاتی ہے عشاق کے ارمانوں میں
آتے ہیں روپ پہ آموں کی اسی رت میں شجر
کوئل آتی ہے اسی رت میں درختوں پہ نظر
چھیڑتی ہے لب جو آکے ترانہ اپنا
سارے عالم کو سناتی ہے فسانہ اپنا
بھونرے پھولوں پہ ہیں سرمست مئے جوش بہار
جھومتے ہیں اثر باد صبا سے اشجار
چٹکیاں لیتی ہیں رہ رہ کے امنگیں دل میں
نشۂ شوق کی اٹھتی ہیں ترنگیں دل میں

کالی داس کی دیگر تصانیف کی طرح ''رتو سنگھار'' کا ترجمہ بھی یورپ کی بیشتر زبانوں میں ہوگیا ہے۔ ہندی بھاشا میں لالہ سیتارام صاحب اور راج کمار بابو دیو کی نندن صاحب نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا بنگال کے مشہور مصور بابو ابندر روناتھ ٹھاکر نے ''رتو سنگھار'' کے موسمی مناظر کی تصویریں کھینچی تھیں، جو بہت مقبول ہوئیں۔ نیز ممبئی کے مشہور و معروف مصور مسٹر دھرندھر نے بھی رتو سنگھار کے متعلق چھ تصویریں کھینچی ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یورپین نقادان فن اس مختصر مگر دلآویز نظم کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مستند مورخ الفنسٹن کہتا ہے:

> ''ذکر جذبات کے ساتھ ساتھ یہ شاعر ان تمام کیفیات کی تصویر کھینچ دیتا ہے جو ان جذبات کے محرک ہوئے اور مناظر کی خوبیاں اور دل فریبیاں ایسے جادو کار الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ وہ شخص بھی جو ان پودوں اور جانوروں سے بیگانہ ہو، ہندوستانی منظر کا خاکہ اپنے دل میں قائم کرسکتا ہے''۔

سر آمد مستشرقین مانیر ولیمس لکھتا ہے:

''اس نظم کا ایک ایک شعر کسی نہ کسی ہندوستانی منظر کی ایک مکمل اور جامع تصویر ہے''۔

نقادانِ فن کا خیال ہے کہ رتو سنگھار کالی داس کے سن شباب کی تصنیف ہے اور کئی وجوہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ شباب کا زمانہ عشق ومحبت اور عیش وعشرت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس وقت تک غم کے کانٹے پہلو میں نہیں کھٹکتے اور زمانے کی سرد مہریوں کا تجربہ نہیں ہوتا۔ نوجوان شاعر کا کلام یاس وحسرت اور رنج ومصیبت کے جذبات سے خالی ہوتا ہے۔ شاعر کو محبت کی داستان وصال کی خوشیوں اور معشوق کے راز ونیاز سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ حسرت کا راگ گائے۔ جب دل ہنستا ہو تو آنکھیں کیوں کر روئیں۔ رتو سنگھار اوّل سے آخر تک جذبۂ الفت میں ڈوبا ہوا ہے۔ ارمانوں کے دن ہیں مرادوں کی راتیں، وہ حرکت، وہ جوش، وہ بے تکلفی، وہ رنگینی، وہ تازگی، وہ چہل پہل، جو شباب کی خصوصیات ہیں، اس نظم میں اوّل سے آخر تک بھری ہوئی ہیں۔ حسینوں کے تذکروں سے شاعر کا جی نہیں بھرتا، کہیں ان کے گلوں کے گجروں کا بیان ہے کہیں ان کے حنا آلودہ ہاتھوں کا۔ شاعر نے ہر ایک موسم کو حسینوں کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ہر ایک خیال ایک جذبہ حتیٰ کہ استعارے اور تلازمے حسینوں کے حسن سے سجے ہوئے ہیں۔ یہ بھی نوجوان شاعر کی ایک خصوصیت ہے اسے ہر ایک جگہ عورت ہی سوجھتی ہے۔ نوجوان شاعر کے دل پر کوئی جادو اتنا اثر نہیں کرتا جتنا کہ جادوئے حسن۔ حسین عورت ہی اس کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ حسین عورت اس کی امیدوں کی ابتدا، اس کی آرزوؤں کی انتہا اور اس کی دلفریبیوں کا مخزن ہوتی ہے۔ الختصر رتو سنگھار ایک جوان نظم ہے، جوانی کی خوشیوں سے منور، جوانی کی محبت سے معطر اور جوانی کی امیدوں سے معمور۔

حضرت سرور کے علاوہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے اپنے رسالہ ''دلگداز'' میں رتو سنگھار کی دو تین رتوں کا ترجمہ نثر میں کیا تھا۔ جون 1904 کے دلگداز میں انھوں نے اس نظم کے متعلق ان الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔

''ہندوستان کے شیکسپیئر کالی داس نے رتو سنگھار کے نام سے چھ

نظمیں چھ موسموں کے بیان میں لکھی ہیں، جن میں خاص
ہندوستان کی یہ رتیں اس خوبی اور لطف کے ساتھ دکھائی ہیں کہ
پڑھنے سے موسمی کیفیت کی تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں۔
ان مضامین میں نئی تشبیہیں نئے خیالات اور نئی بندشیں ہیں جو
اس لٹریچر کے لئے جس کا نشو ونما ہندوستان میں ہوا۔ انگریزی اور
فارسی لٹریچر کے طرز انشا سے زیادہ موزوں اور پر اثر ہیں''۔

اصل نظم میں کالی داس کی رنگین بیانی بعض اوقات دائرۂ اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے۔ پھل جب زیادہ میٹھا ہو جاتا ہے تو اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں مگر مترجم نے ان مقامات کو جیسا کہ اس کا اخلاقی فرض تھا نظر انداز کر دیا ہے۔ کاش شعرائے اردو مولانا شرر کی طرح سمجھتے کہ ان مضامین کی نئی تشبیہیں نئے خیالات اور نئی بندشیں اردو لٹریچر کے لیے انگریزی اور فارسی لٹریچر کے طرز انشا سے زیادہ موزوں ہیں تو آج اردو شاعری اس قدر مطعون اور منکوت نہ ہوتی۔ مگر مولانا شرر نے اس نظم کا ترجمہ نثر ہی میں لکھنے پر قناعت کی۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ شاعرانہ خیالات کچھ نظم ہی میں مزہ دیتے ہیں۔ نثر کے قالب میں آ کر ان کی وہی کیفیت ہو جاتی ہے جو مئے خوشگوار کی حلقۂ زاہد میں یا کسی مہ وش نازنین کی لباس برہنگی میں۔ بہر حال کالی داس کے خیالات کو اردو میں نظم کرنے کا کام جواں مرگ سرور مرحوم کے ذمہ رہا اور اس کو انھوں نے جس شاندار کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے اس کی تمام اردو پبلک کو قدر کرنی چاہیے۔ دراصل شاعر نے ترجمے میں آمد کا لطف پیدا کر دیا ہے۔ سلاست اس مجموعے کی بہترین صفت ہے۔ سنسکرت کے پیچیدہ اور عمیق جذبات کو نظم کرنے میں سلاست کو ملحوظ رکھنا اور اس میں کامیاب ہو جانا شاعر کی پختہ مشقی اور قوت نظم کی دلیل ہے۔

تھے برنگِ دیدۂ عشاق جو چشمے پر آب
اڑ رہی ہے خاک ان میں صورتِ موجِ سراب
سطحِ گردوں کو سمجھ کر چشمۂ آبِ رواں
تک رہے ہیں دیدۂ حسرت سے ہوکر نیم جاں

کتنا سچا اور نیچرل خیال ہے اور کتنی خوبصورتی سے نظم کیا گیا!

دھوپ سے ہیں ایسے گھبرائے ہوئے مار سیاہ
بازوئے طاؤس کے سائے میں لیتے ہیں پناہ

مور سانپ کا دشمن ہے۔ مگر شدت گرمی نے ان کے حواس اس درجہ مضمحل کر دیے ہیں کہ نہ سانپ کو خوف رہا اور نہ مور کو تاب شکار۔ اردو میں ایسے خیالات عنقا ہیں اور مترجم نے قابل داد بلاغت سے انھیں نظم کیا ہے۔

دھوپ کی شدت سے یوں آتش بجاں طاؤس ہیں
بازوئے زریں نہیں ہیں شعلۂ فانوس ہیں

کس قدر جدّت آمیز، انوکھا اور اچھوتا خیال ہے۔ اختصار نظم اس پر قند مکرر!

ٹھُنڈ کچھ سوکھے ہوئے آتے ہیں صحرا میں نظر
چونچ کھولے جن پہ دم لیتی ہیں چڑیاں بیٹھ کر

کیسی تصویر کھینچ دی ہے! اسی کا نام شاعری ہے۔ شاعر کی نگاہ کس قدر جزرس ہے۔ جنگلی جھڑ بیریاں اور کروندے کے درخت بھی اس سے نہیں بچے۔ جن کی طرف اردو شاعر کبھی بھول کر بھی آنکھ نہیں اٹھاتا۔

عجب انداز سے بیلوں کو ہلاتی ہے نسیم
اور کروندے کے درختوں کو نچاتی ہے نسیم
یوں ہر اک پھول پہ ٹیسو کے برستی ہے بہار
سرخ جیسے کسی طوطے کی نکیلی منقار
پھول شاخوں پہ ہیں کھولے ہوئے آغوشِ نشاط
بھونرے کنجوں میں ہیں سرمستِ مئے جوشِ نشاط

ان مثالوں سے ناظرین پر روشن ہو گیا ہوگا کہ ترجمے میں کس قدر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ سلاست اور روانی جو کسی اوریجنل نظم میں پائی جاتی ہے۔ یہاں اوّل سے آخر تک موجود ہے۔ اس امر کو زیادہ وضاحت سے دکھانے کے لیے شاعر کو کس حد تک ترجمے میں کامیابی ہوئی

ہے، مناسب تو یہ تھا کہ سنسکرت اشعار اور اس کا ترجمہ بالمقابل لکھے جاتے۔ مگر اردو میں سنسکرت کے سمجھنے والے بہت کم ہیں اور ان موشگافیوں سے کچھ حاصل نہیں۔ موسم گرما کی نظم کو مترجم نے کسی قدر مختصر کر دیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ تر ایسے جانوروں کا ذکر تھا جن کے نام سے بھی اردو ناظرین مانوس نہ ہوں گے۔ کالی داس کی قادرالکلامی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی خیال کو بار بار مختلف پیرایہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور اس خیال کی تازگی میں فرق نہیں آتا۔ اردو جیسی کم مایہ زبان میں الفاظ کی یہ بہتات کہاں! ایسے خیالات چونکہ خوبصورتی سے نظم نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے غالبًا اعادہ کے خوف سے مترجم نے انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ہمارے خیال میں یہ معذوری ان کی نہیں بلکہ اردو زبان کی ہے۔

’زمانہ‘ اگست 1914

پریم چند

سرور اور شاکر

دیانرائن نگم

اگست 1914 کے ''زمانہ'' میں ادبیات کے ذیل میں کالی داس کی مشہور تصنیف ''رتوسنگار'' کے اردو ترجمہ کا (جسے ''اکسیر سخن'' کے نام سے مسٹر پی ایل شاکر میرٹھی نے شائع کیا ہے) تمہیدی مضمون نقل کرتے ہوئے ہم نے یہ لکھا تھا کہ گو ''اکسیر سخن'' کی 6 نظموں میں سے تین نظمیں 1909 اور 1910 رسالہ ''زمانہ'' میں حضرت شاکر کے نام سے ہدیۂ ناظرین ''زمانہ'' کی گئی تھی۔ لیکن بعد میں ہم کو تحقیقی طور پر معلوم ہو گیا کہ ان نظموں کا صرف نثری ترجمہ ہی مسٹر شاکر نے کیا ہے اور نظم کا جامہ دراصل سرور مرحوم نے پہنایا ہے۔ اس بیان کی تردید کرنے کا اگر کسی کو حق تھا تو خود مسٹر شاکر کو لیکن انھوں نے کسی مصلحت سے ہم سے کوئی جواب طلب نہیں فرمایا۔ البتہ ''الناظر'' بابت دسمبر 1914 میں ان کی طرف سے ایک صاحب ابوالرشاد نے ''مے دو آتشہ'' کے عنوان سے ''اکسیر سخن'' پر ایک طولانی مضمون لکھا ہے جس کے دوران میں انھوں نے ہمارے نوٹ مذکورہ بالا پر نہ صرف اعتراض ہی کیا ہے بلکہ ہم سے کوئی ثبوت طلب کیے بغیر محض سطحی دلائل پر اسے معاصرانہ حسد و انتقام اور ذاتی تکدر کا نتیجہ قرار دے کر غلط ثابت کرنا چاہا ہے۔ میں اپنی دلی صفائی کے متعلق کچھ نہ کہوں گا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسی کوئی وجہ موجود نہیں ہے جس سے مجھے

شاکر صاحب سے حسد یا انتقام کا خیال ہو۔

لیکن ''اکسیر سخن'' کے بارے میں ہمارے بیان کے متعلق چونکہ بحث چھڑ گئی ہے اس لیے ہم ناظرین زمانہ کے سامنے اس ثبوت کو بجنسہٖ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کا ہم نے ''زمانہ'' اگست 1914 میں ذکر کیا تھا۔ یہ ثبوت دراصل خود مسٹر شاکر کے خطوط سے ملتا ہے جو انھوں نے 1909 و 1910 میں سرور مرحوم کے پاس بھیجے تھے اور جو ان کی وفات کے بعد 1911 میں ان کے ورثے سے میرے ہاتھ لگے۔ درحقیقت سرور مرحوم کی حیات ہی میں مجھ کو خود انھیں سے ان نظموں کی تصنیف کے متعلق اصلی حالات معلوم ہو گئے تھے۔ لیکن سرور نے اپنی زندگی میں اس راز کے افشا کی مجھے اجازت نہیں دی۔ اور اس لیے میں خاموش رہا۔ یہ تو مجھے معلوم ہی تھا کہ جناب نظؔر کی طرح حضرت سرؔور کی بدولت بھی بعض اصحاب شاعر بنے ہوئے ہیں۔ لیکن ابتدا میں مجھے صحیح طور پر معلوم نہ تھا کہ کالی داس کی یہ نظمیں بھی، جس کے ترجمہ کا فخر شاکر صاحب نے حاصل کرنا چاہا تھا، دراصل سرؔور کی طبع وقار کا نتیجہ ہیں۔ اس کا علم مجھے سب سے پہلے محض ایک اتفاقیہ واقعے سے ہوا جس کا بیان یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ''زمانہ'' دسمبر 1909 میں ''شردرُت'' کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہوا اور جنوری 1910 کے پرچے میں اسی سلسلے کی دوسری نظم ''ہیمنت'' کا ترجمہ شائع ہوا۔ اس نظم میں 18 بند تھے جو چھ چھ بند کے حساب سے تین علاحدہ علاحدہ اوراق پر لکھے ہوئے آئے تھے۔ اتفاق سے درمیان کا ایک ورق یا تو لفافے ہی میں رہ گیا یا کسی طرح غائب ہو گیا اور نظم کے اوّل اور آخر کے صرف بارہ بند ہی درج رسالہ ہوئے۔ ''زمانہ'' بابت جنوری 1910 کے شائع ہوتے ہی اس سہو کے متعلق، جس کی مجھے مطلق خبر نہ تھی، سب سے پہلے مجھے سرؔور صاحب نے لکھا۔ سرؔور صاحب ان دنوں اپنے وطن جہان آباد ضلع پیلی بھیت میں تھے۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ سرؔور صاحب بعض صاحبوں کے لیے نظمیں کہا کرتے ہیں اس لیے معاً یہی خیال گزرا کہ یہ نظمیں بھی انھیں کی ہیں۔ اس وقت مجھے صحیح یاد نہیں لیکن جہاں تک خیال ہوتا ہے اس پرچے کی اشاعت کے بعد سرؔور صاحب کانپور آ گئے۔ کیونکہ وہ اکثر ہولی کے زمانے میں میرے پاس کانپور آ جایا کرتے تھے۔ بہرنوع جب ملاقات ہوئی تو مجھے اپنے خیال کی تصدیق خود سرؔور صاحب سے ہو گئی۔ لیکن انھوں نے مجھے یہ کہہ کر کہ آج کل میری بسر اوقات

انہی کاموں پر رہ گئی ہے۔ مجھ سے اس واقعہ کو کم سے کم کچھ عرصے تک پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لے لیا۔ تاہم میرا جی نہ مانا اور میں نے اپریل یا مئی میں شاکر صاحب کو ان نظموں کے ترجمے پر مبارک باد دیتے ہوئے شاید کسی نہ کسی طرح یہ بھی جتا دیا کہ میں اصلیت سے بالکل ناواقف نہیں ہوں۔ میری تحریر کی نقل اس وقت میرے سامنے نہیں ہے لیکن شاکر صاحب نے اس کا جو جواب لکھا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ 15 مئی 1910 کے خط میں الہ آباد سے وہ لکھتے ہیں:

جناب مکرمی .... تسلیم

کارڈ ملا، مشکور ہوں۔ آپ نے نظم 14 کو بے حد پسند فرمایا ہے، دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ سرور صاحب کا رنگ بھلا میں کیا اُڑا سکتا ہوں، البتہ ان کے مشورے نے میرے رنگِ سخن کو چمکا دیا ہے۔ براہِ کرم اگر (نظم پر) نوٹ لکھیں تو اس میں اس قسم کی داد نہ دیجیے گا، کیونکہ اس سے تقلید کا دھبہ لگے گا......

خاکسار

پیارے لال شاکر

سرور صاحب کی زندگی میں تو میں ان کے پاس خاطر سے اس کی حقیقت کو ظاہر نہ کر سکا، ان کے بعد تحریری ثبوت کے بغیر میں کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اس کے دستیاب ہونے میں کچھ وقفہ گزرا اور اس عرصے میں ''ادیب'' کی ایڈیٹری شاکر صاحب کے سپرد ہو گئی اور میں نے قصداً اس وقت اس راز کے اظہار کو نامناسب سمجھا۔ کیونکہ اگر ابوالرشاد صاحب اب اس وقت اس راست بیانی کو معاصرانہ حسد اور ذاتی تکدر پر محمول فرماتے ہیں تو اس وقت نہ صرف ان کا بلکہ اور بہت سے تنگ خیال حضرات کا بھی ایسا ہی خیال ہو سکتا تھا۔ بہرحال میں نے اس بحث کو اکسیرِ سخن کی اشاعت ہی پر اٹھا رکھا۔ لیکن شاکر صاحب نے اس کی اشاعت مجھ سے پوشیدہ رکھی۔ کیونکہ نہ تو انھوں نے یہ کتاب زمانہ کو ریویو (Review) کے لیے ارسال فرمائی اور نہ کسی اور ہی ذریعہ سے مجھے اس کے طبع ہونے کا حال اگست 1914 سے پہلے معلوم ہو سکا۔ غرض ''اکسیرِ سخن'' کی اشاعت کے بعد جو وقفہ گزرا،

محض لاعلمی میں گزرا لیکن اس کی ذمہ داری بھی دراصل مسٹر شاکر ہی پر ہے۔

ابوالرشاد صاحب کے دو اور اعتراضات ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر۔

> ''راست بازی اور صفائی قلب کے ساتھ تم صاحب اس تحریری ثبوت کے بہم پہنچنے پر جس سے ان کو تحقیقی طور پر ثابت ہوگیا کہ سرورؔ نے یہ نظمیں ترجمہ کی ہیں، مسٹر شاکر سے اس بارے میں دریافت کر لیتے اور قابل تشفی جواب نہ پا کر پبلک کو اصلیت سے مطلع فرما دیتے تو بمقابلہ اس پیچیدہ کارروائی کے زیادہ مناسب ہوتا''۔

ہم دراصل اپنے ثبوت کو اس قدر زبردست سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کے متعلق شاکر صاحب سے استفسار کی ضرورت کبھی محسوس ہی نہیں کی۔ لیکن کیا ہم مسٹر ابوالرشاد صاحب سے انھیں کے الفاظ میں دریافت نہیں کر سکتے ہیں کہ ''اگر راست بازی اور صفائی قلب کے ساتھ ابوالرشاد صاحب ہمارے مختصر نوٹ کو کافی نہ سمجھتے تھے تو ہم سے وہ تحریری ثبوت طلب فرما لیتے جن کا ہم نے اپنے نوٹ میں ذکر کر دیا تھا تو یہ بمقابلے اس پیچیدہ کارروائی کے جو انھوں نے شاکر صاحب کی حمایت میں مدعی سست گواہ چست کے مصداق اختیار کی، بدرجہا بہتر و مناسب ہوتا''۔

اس ثبوت کے متعلق شاکر صاحب نے ہم سے کچھ دریافت نہیں کیا لیکن ان کی طرف سے ابوالرشاد صاحب نے حق رفاقت ادا کرنے کی کوشش کی۔ مگر اب شاکر صاحب ایسے دوستوں سے پناہ مانگیں تو بیجا نہ ہو جو نفس معاملہ کو سمجھے بغیر جو کچھ چاہتے ہیں لکھ ڈالتے ہیں۔ کیا حقیقت حال کی جستجو کی خواہش محض ہم سے وہ تحریری ثبوت طلب کرنے سے جس کا ہم نے اپنے نوٹ میں ذکر کیا تھا، پوری نہ ہو سکتی تھی؟ معلوم نہیں کہ ذاتیات کی بحث سے ابوالرشاد صاحب نے کون سا فائدہ سوچا تھا؟ اور ثبوت دیکھے بغیر اس طمطراق کے ساتھ اس کی تردید و تحقیر کی ان کو کیا ضرورت تھی؟

دوسرا اعتراض ابوالرشاد صاحب نے یہ کیا ہے کہ ہم نے مسٹر پریم چند کی تحریر میں محض اپنی ذمہ داری پر کیوں ترمیم کر دی؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کو ترمیم کا کوئی حق نہ تھا تو ابوالرشاد صاحب کو بھی اس پر اعتراض کا کوئی موقع نہیں، خصوصاً جب کہ خود مسٹر پریم چند نے اس ترمیم سے

اتفاق کیا ہے۔ جب ہم نے مسٹر شاکر کے اصل خطوط جو ہمارے پاس موجود ہیں اور جن کی نقلیں درج ذیل ہیں۔ ان کے پاس مع ''الناظر'' دسمبر 1914 کے بغرض ملاحظہ بھیجے تو انھوں نے میری ترمیم سے اتفاق کلی ظاہر کیا اور لکھا کہ کاش مجھے پہلے اس کا علم ہوتا تو میں ہرگز یہ دیباچہ لکھنے کے لیے قلم نہ اٹھاتا''۔

ہم مسٹر پریم چند کے خط کو گزشتہ نمبر میں بجنسہ شائع کر چکے ہیں۔ اب ہم اپنے وعدے کے بموجب ان شہادتوں کو درج کیے دیتے ہیں جن پر ہمارا دعویٰ مبنی ہے۔ ان خطوط سے جو سب خود مسٹر شاکر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، اس اصلیت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ درحقیقت شاکر صاحب کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ''اکسیر سخن'' ہی کی نظمیں نہیں بلکہ بہت سی اور نظمیں بھی جو شاکر صاحب کے نام سے ملک کے اردو رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں اور جن کی بابت تحسین کا خراج مسٹر موصوف لے چکے ہیں وہ دراصل سب سرورؔ ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں اور ان کے لیے تحسین و تعریف دراصل سرورؔ ہی کا حصہ ہے۔

..................دیا نرائن نگم

سرور کے نام پیارے لال شاکر میرٹھی کے چند خطوط

(1)

محلہ: کٹرا، الہ آباد

27 جون 1909

مکرمی جناب سرورؔ صاحب.........................تسلیم

میں امید کرتا ہوں کہ میرا گزشتہ خط آپ کو مل گیا ہوگا، مگر میں نے آپ سے یہ درخواست کی تھی کہ رسید بہ واپسی ڈاک ارسال فرما دیجیے گا، تاکہ اطمینان ہو جائے۔ مگر آپ نے اس پر مطلق خیال نہ فرمایا۔

فرمائیے ان نظموں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اگر کوئی ایسا مضمون ہو جس پر آپ کی طبیعت مائل نہ ہو سکے تو چنداں ضرورت نہیں کہ آپ سر مغزن کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ نظمیں نہایت دلکش اور پرزور ہوں۔ "WHAT I LIVE FOR" بہت عمدہ نظم ہے۔ امید ہے کہ آپ نے اس کو ضرور پسند فرمایا ہوگا۔

اس وقت دو نظموں کا مصالحہ اور ارسال خدمت کرتا ہوں:

''(1) کسبینکا''۔ مشہور انگریزی نظم ہے۔ اغلب ہے کہ اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہو مگر میری نظر سے نہیں گزرا۔ امید ہے کہ اردو نظم انگریزی نظم سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔

آپ بالکل ترجمے پر اکتفا نہ فرمایئے گا بلکہ انگریزی خیالات کو اردو جامہ پہنا کر خاتمے پر خود نصیحت اخذ کیجیے گا گویا نظم میں انگریزی خیالات کی صرف جھلک باقی رہے۔ یعنی ہندوستانی مذاق بھی قائم رہے۔

(2) راونڈ کا چرخہ: سرخی نے تو غالباً آپ کو بھی پھڑکا دیا ہوگا۔ اس کا نثر میں خاکہ ارسال کر رہا ہوں۔ یہ ایسا مضمون ہے کہ آج تک کوئی نظم اس پر نہیں کہی گئی۔

کالی داس سنسکرت کے مشہور ملک الشعرا کی چند نظموں کا اردو ترجمہ نثر موجود ہے۔ اب جب آپ کی طرف سے سلسلہ جاری ہو تو ادھر سے برابر مصالحہ ارسال ہوتا رہے۔ آپ کسی طرح خیال نہ فرمایئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میرے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کو میری ذات سے کبھی رنج نہ پہنچے گا۔ اور حتی الامکان میں ہر طرح سے آپ کی خدمت کرنے کو تیار رہوں گا۔

(1) گورو گووند سنگھ کے لڑکوں کا استقلال اور (2) میں کیوں زندہ ہوں۔ ان دونوں نظموں کا انتظار کر رہا ہوں۔ میرے پاس دلچسپ مضامین'' علاوہ کالی داس کی نظموں کے تیار ہیں۔ چند ایک سرخیاں یہ ہیں:

(1) میری ماں کی قبر (2) آسمانی گھر (3) امداد بے کساں (4) آج (5) خاتمہ بالخیر۔ شروع کے تینوں عنوان انگریزی نظم ہیں۔ ''آج'' اور ''خاتمہ بالخیر'' نثر ہیں مگر انگریزی خیالات ان میں موجود ہیں۔ خصوصاً خاتمہ بالخیر تو انگریزی ہی مضمون کا ترجمہ ہے۔ مگر نہایت دلچسپ۔ اب آپ کے جواب کا بے حد انتظار ہے۔ بہ واپسی تحریر فرمایئے۔

والسلام

پیارے لال شاکر

(2)

(یہ کارڈ ہے جس پر کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن پتے کی جانب ڈاک خانہ (روانگی) الہ آباد آر ایم ایس کی 24 اگست 1909 کی مہر لگی ہوئی ہے)

جناب مکرم

تسلیم!

کارڈ لکھ کر رکھ دیا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ ڈاک خانے میں ڈلوا دیے جائیں مگر مجھے کسی کارِ ضروری کی وجہ سے اسی دن کانپور جانا پڑ گیا۔ مجھے سخت افسوس ہوا۔ کل واپس آیا تو آج 2 روپے 15 آنے ارسال خدمت ہیں۔ امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ نظمیں جو تیار ہیں جلد ارسال فرمائیے۔ میں چند خاص مضامین ارسال خدمت کروں گا اور چونکہ وہ کسی قدر طول ہیں اس لئے اجرت میں بھی ایک روپے کا اضافہ۔ اس وقت مجھے مطلق فرصت نہیں، مفصل دوسرے وقت لکھوں گا.........''

خاکسار

شاکر میرٹھی

(3)

4 ستمبر 1909

الٰہ آباد

مکرمی جناب سرورؔ

تسلیم!

میں نے دو عدد لفافے و ایک کارڈ مع منی آرڈر 2 روپے 15 آنے ارسال خدمت کیے مگر ایک کا بھی ہنوز جواب وصول نہیں ہوا۔ تشویش ہے۔ خدا کرے آپ کی (طبیعت) ناساز نہ ہو۔ بواپسی اپنے حالات سے مطلع فرمائیے۔

''آنے والی گھڑی'' اور ''خاتمے'' کا انتظار ہے۔ امید کہ جلد ارسال فرمائیے گا۔ کالی داس کی نظموں کے ترجمے کے باب میں کیا رائے ہے؟ میرے خیال میں آپ نے اس سلسلے کو پسند تو ضرور کیا ہوگا۔ مجھے بے حد محنت کرنا پڑی ہے۔ ابھی تین نظموں کا ترجمہ کرنا باقی ہے۔ اس میں بھی ابھی بہت محنت ہوگی۔

ملٹن (تاج الشعرائے انگلستان) کی ایک مشہور و معروف نظم PARADISE LOST یعنی وہ بہشت جو ہاتھ سے جاتا رہا ہو۔ میں نے اس کا مختصر سا خلاصہ کیا ہے جو شاید کالی داس کی نظم سے کم ہوگا۔ وہ میں آپ کو کسی وقت ارسال کروں گا اور اسی وقت اس کے متعلق کچھ تحریر کروں گا۔

بہر کیف آپ جواب جلد عنایت فرمایئے تاکہ اطمینان ہو۔ کہیں مبلغات کی روانگی میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی اس سے تو آپ بد دل نہیں ہو گئے۔ اس کا آپ ہرگز خیال نہ فرمایئے۔ نیاز مند سے آپ کو کبھی مبلغات کے بارے میں شکوہ شکایت کا موقع نہ ملے گا۔ اتفاقیہ حادثات کبھی کبھی آپڑتے ہیں۔ ہمیشہ نہیں۔ آپ مطلق اس کو میری سستی و غفلت پر محمول نہ فرمائیں۔ میں اپنی ضرورت کے مطابق ہی آپ کی ضروریات کا خیال کرتا ہوں۔ اور خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہ آپ کی مشقت کا حق ہو۔ امید ہے کہ آپ اسی وقت نہیں بلکہ آئندہ بھی میری طرف سے اپنے دل میں میل نہیں آنے دیں گے۔

اگر آپ برائے کسی عمدہ مسلسل نظم کا ترجمہ کرنا چاہیں اور میں اس میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں تو اس کے لیے بہ دل و جان تیار ہوں۔ صرف عندیے سے اطلاع دیجیے۔ میں کوشش میں کوئی دقیقہ اپنی طرف سے نہ اٹھا رکھوں گا۔

مفصل جواب سے شاد فرمایئے۔ کالی داس کی نظموں کے بارے میں آپ کی رائے کا از حد منتظر ہوں۔ ''آنے والی گھڑی'' اور ''خاتمہ'' کا بھی بے دلی کے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ امید کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔ زیادہ نیاز

خاکسار

پیارے لال شاکر

(4)

17 اکتوبر 1909

الہٰ آباد

مکرمی جناب سرور

تسلیم!

کل آپ کا کارڈ ملا، افسوس ہوا کہ آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ اب آپ اچھے ہوں گے۔

''آنے والی گھڑی'' کا نہیں البتہ ''خاتمے'' کا مجھے افسوس ہے۔ مگر اس کی وجہ خاص ہے۔ ایک تو وہ مذہبی نقطۂ خیال سے لکھا گیا تھا۔ دوم اس پر تین چار مصنفین سے خیالات میں مدد لی گئی تھی۔ مگر جو ہوگیا سو ہوگیا۔ اس کا کچھ خیال نہ فرمایئے۔

میرے مضامین سے آپ اس امر کا اندازہ فرما سکتے ہیں کہ میں بہت محنت سے انھیں تیار کرتا ہوں۔ جس طرح ایک نثری مضمون کے لیے بہت سی کتابوں اور مضمون کے خیالات سے امداد لی جاتی ہے اسی طرح محنت سے یہ خاکے تیار کرتا ہوں۔

اگر آپ ''خاتمے'' کا خاکہ مجھے بھیج دیں تو میں اس کو دوسرے طرز پر لکھ کر آپ کو ارسال کردوں کیونکہ اس مضمون سے مجھے بہت اُنس تھا اور پیشتر بھی میں اس کے لیے آپ سے خاص طور پر عرض کر چکا تھا۔ ہاں! حسب وعدہ نظمیں جلد ارسال فرمائیں۔ ''ہم نشیں'' اور ''پرواز وقت'' کو پہلے لیجیے۔ ان میں سے ''ہم نشیں'' پر زیادہ توجہ دیں۔ اب ذرا جلدی جلدی تمام مضامین ختم کریں تا کہ اور مضامین ارسال کروں۔ کالی داس کی نظمیں بھی جلد ختم کرنے کی فکر کیجیے۔ ایک نظم کالی داس کی اور تیار ہے۔ یعنی ''اُوس کی رُت'' وہ انشاءاللہ جلد ارسال خدمت کروں گا۔ آپ کچھ خیال

نہ فرمایئے گا۔ یہ کوئی افسوس نہیں، جس کی تلافی نہ ہو سکے۔ امید کہ آپ بہ واپسی نظمیں ارسال فرمانے کی کوشش کریں۔ زیادہ نیاز۔

نیاز آگیں

خاکسار

پیارے لال شاکر

الہٰ آباد

(5)

کارڈ

مکرمی جناب سرور

تسلیم!

کہیے طبیعت کا آج کل کیا حال ہے۔ امید کہ اب کسی قسم کی شکایت آپ کو نہ ہوگی۔ میں آپ کی عنایت کا منتظر ہوں۔ اس مرتبہ تو آپ نے بہت انتظار کھنچوایا۔ امید کہ جلد خبر لیجیے گا۔ روزمرہ اشتیاق سے ڈاکیے کی راہ دیکھتا ہوں مگر جب آپ کا کوئی خط نہیں آتا تو طبیعت اداس ہو جاتی ہے۔ عنایت فرما کر اب آپ مہر سکوت توڑیں اور تاوقتیکہ کل مضامین ختم نہ ہو لیں، سلسلہ جاری رکھیں۔ آنے جانے کا سلسلہ دونوں طرف سے برابر جاری رہے۔ فرمایئے آپ نے کوئی تازہ نظم کہی کہ نہیں؟ ''ہم نشیں'' اور ''پرواز وقت'' کا بے تابی سے انتظار کر رہا ہوں۔ زیادہ نیاز

منتظر عنایت

خاکسار

پیارے لال شاکر

(6)

14 نومبر 1909

مکرمی جناب سرور

تسلیم!

عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

کالی داس کی ایک نظم کا میں نے اردو ترجمہ کیا ہے مگر اس نظم کا نصف سے زیادہ پودوں کے ناموں سے بھرا ہوا تھا کہ جن کے اردو نام باوجود تلاش مجھے معلوم نہ ہو سکے۔ بدیں وجہ میں نے بالفعل اس حصے کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف 19 اشعار کا ترجمہ کیا ہے۔ مگر میں کوشش کرتا رہوں گا کہ بقیہ اشعار کا بھی ترجمہ جلد ہو جائے گا۔ آپ کو ارسال کر دوں گا۔ وہ علاحدہ ایک نظم شمار ہو جائے گی اور میں دونوں کو ایک کرلوں گا۔

آپ عنایت فرما کر اب کی دفعہ اسی (شبنم باری) پر طبع آزمائی کیجیے اور اس کے ساتھ ''رانڈ کا چرخہ'' ''امداد بے کساں'' کو لیں اور جس قدر جلد ممکن ہو انھیں میرے نام ارسال کر دیجیے۔ ''شبنم باری'' ملا کر آپ کے پاس 13 مضامین ہوئے۔

''شبنم باری'' کو تو مثنوی ہی کی صورت میں رہنے دیں اور دوسری نظم کو اگر ''رانڈ کا چرخہ'' ہو مسدس اور اگر ''امداد بے کساں'' ہو تو اسی قسم کے ترجیع بند جیسا کہ آپ نے ''یاران رفتہ'' (مندرجہ مخزن) کہا تھا، کہیں مگر اس بات کی ایسی کوئی بڑی ضرورت نہیں ہے کہ آپ خواہ مخواہ اس کی قید کریں۔ اگر کوئی اور مرغوب طرز ہو تو اسی میں سہی مگر ہاں، بحر بدل دیجیے۔ ''آج'' ''ہم نشیں'' ''گل بے خار'' اور ''پرواز وقت'' کی نظمیں ایک ہی بحر میں ہو چکی ہیں۔ اب کوئی اور بحر سہی۔

''رانڈ کا چرخہ'' میں نے صرف ''خاکہ'' ہی بھیجا تھا۔ آپ بہ لحاظ مضمون اس پر خود اضافہ کر لیں۔ ''ہم نشیں'' والی نظم خوب رہی۔ ''موسم خریف'' میں مجھے امید ہے کہ آپ نے جا بجا مناسب تبدیلیاں کر دی ہوں گی۔ رباعیات بھی میں نے ''زمانہ'' کو بھیجی ہیں۔ جب آپ کے پاس بغرض اصلاح آئیں تو ذرا عنایت فرما کر زیادہ توجہ سے کام لیجیے گا۔ یہ گویا مجھ پر احسان ہوگا۔

''ہم نشیں''،''مخزن''کو اور''پرواز وقت''ادیب کو ارسال کی ہیں۔''نیرنگ'' کی ایک نظم''انسان کی فریاد''مخزن میں چھپی تھی۔ پہلا شعر ہے۔

ہاں اے مصاف ہستی مت پوچھ مجھ سے کیا ہوں

اک عرصۂ بلا ہوں اک لقمۂ فنا ہوں

میری خواہش ہے کہ اس پر ایک خمسہ ہو جائے۔ یہ نظم گویا میرے دلی خیالات کا آئینہ ہے۔ اگر آپ کے یہاں اس کی نقل نہ ہو تو تحریر فرمایئے گا۔ میں کسی وقت آپ کو بھیج دوں گا۔

''خاتمہ'' بہت عمدہ رہا اور تنویر الشرق (ماہنامہ، کلکتہ) میں اس کو دیکھ کر طبیعت بے حد موثر ہوئی۔ مبلغات کی روانگی میں حسب معمول کسی قدر توقف ہوا۔ امید کہ معاف کیا جاؤں گا۔ جواب سے جلد اطلاع فرمایئے گا۔ میں دونوں نظموں کا جلد انتظار کروں گا۔ امید کہ اب آپ کی طبیعت رو بہ صحت ہوگی۔ کیا کبھی آپ کا الٰہ آباد آنے کا ارادہ نہیں ہے۔

والسلام

خاکسار

شاکر

(7)

پوسٹ کارڈ

3 جنوری 1910

مکرمی

تسلیم!

کارڈ ملا مگر اس وجہ سے جواب نہیں دیا کہ آپ مفصلات میں تھے۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ بہ وجوہات چند میں آپ کے ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکا............ آپ نے رباعیات و نظمیں ارسال نہ کیں۔ بہت انتظار ہے امید کہ جلد شکر گزاری کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

والسلام

(8)

25 جنوری 1910

الہ آباد

جناب مکرمی حضرت سرور صاحب

تسلیم!

کل آپ کا بیرنگ خط اور پوسٹ کارڈ ملا۔ تعمیل ارشاد میں 50 عدد لفافے بذریعہ بیرنگ ڈاک ارسال خدمت ہیں۔ امید کہ آپ ان کو پسند کریں گے.......... میں اس وقت ایک مضمون ''میں نے کسے دیکھا'' آپ کو ارسال کرتا ہوں۔ عنایت فرما کر دو تین دن کے اندر نظم کر کے مجھے بھیج دیں...... ایک بات کا خیال رہے کہ ہر ایک شعر با قافیہ و ردیف ہو۔ وزن میرے خیال میں وہ بہتر ہوگا جو ''چلمن'' کا ہے یا جو آپ مناسب خیال کریں و جابجا حسب ضرورت آپ مضمون کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ آپ مجھ پر احسان کریں گے۔ اگر بہت جلد اس کو مجھے بھیج دیں گے۔

تم مجھ سے پوچھتے ہو میں نے کسے دیکھا۔

اور

سنبھالو سنبھالو نہیں تو میں گرا

یہ ہر حصے کا پہلا اور آخری شعر ہوگا۔ لہٰذا اسے بہت چست کہیں تا کہ تکرار میں مزا آئے۔ پھر تاکید ہے کہ آج ہی اسے شروع کریں اور بہت جلد مجھے بھیج دیں۔ احسان ہوگا۔ ہر ایک شعر با قافیہ و ردیف ہو۔

والسلام

احقر

پیارے لال شاکر میرٹھی

(9)

(ایک پوسٹ کارڈ جس پر تاریخ درج نہیں ہے لیکن ڈاک خانہ الہٰ آباد کی مہر روانگی 28 جنوری 1910 کی لگی ہوئی ہے)

جناب مکرمی!

کل شام آپ کا لفافہ پہنچا۔ مجھے بے حد افسوس ہوا کہ آپ تکلیف میں ہیں۔ میں آپ کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ میں آپ کی تعمیل ارشاد کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ صرف پاس ہونا شرط ہے......''میں نے کیسے دیکھا'' کا سخت انتظار ہے۔ اگر جلد ارسال فرماسکیں تو ممنون ہوں گا۔

خاکسار

پیارے لال شاکر

الٰہ آباد

(10)

میرے مہربان حضرت سرؔور

تسلیم!

مجھے افسوس ہے کہ میں ہنوز مبلغات ارسال نہ کر سکا، مگر اس کو میری غفلت پر محمول نہ فرمایئے......آپ میری طرف سے کسی قسم کا خیال اپنے دل میں نہ کیجیے بلکہ اس کو مجبوری تصور فرمایئے۔ امید ہے کہ مزاج مبارک بخیریت ہوگا۔ ''مجھے کوئی سنبھالو'' کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ عنایت فرما کر مسودہ بھی ارسال کر دیجیے۔ اگر تلف کر دیا ہو تو خیر۔ رباعیات کے لیے چشم براہ ہوں۔

امید ہے کہ لفافے مل چکے ہوں گے۔ آپ نے خط میں ان کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ اس دفعہ بیرنگ بھیجے گئے تھے۔ امید ہے کہ تلف نہ ہوئے ہوں گے۔

مجھے بہت خوشی ہوگی اگر آپ الٰہ آباد آکر قیام فرمائیں۔ اس وقت کوشش کی جائے گی کہ کوئی ٹیوشن آپ کو مل جائے۔ میں آپ کی بہتری کو اپنی ذاتی بہتری سمجھ کر ہر قسم کی کوشش کرنے کو تیار ہوں۔ ''زمانہ'' نے ''ہیمنت'' کو شائع کیا مگر نا معلوم چھ بند کیوں چھوڑ دیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے تحریری کاغذ کا ایک صفحہ گم ہو گیا ہے۔ میں نے ہر صفحے پر چھ بند لکھے تھے اور ایک ہی صفحے کے چھ بند شائع نہیں ہوئے۔ میں نے منشی دیا نرائن نگم کو خط لکھ کر استفسار کیا ہے۔ زیادہ نیاز

پیارے لال شاکر

(''زمانہ'' فروری 1915)

سرور اور شاکر

نوبت رائے نظر

فروری کے ''زمانہ'' میں ''سرور اور شاکر'' کے عنوان سے جو بحث درج ہے اس میں آپ نے فرط محبت سے میرا ذکر بھی کر دیا ہے۔ حالانکہ مجھے اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ لیکن چونکہ یہ واقعات اس زمانے کے ہیں جب کہ میں الہٰ آباد میں موجود تھا اور ''ادیب'' کو نکال رہا تھا۔ لہٰذا جن واقعات کا آپ نے تحریری ثبوت دے کر لٹریری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے وہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ سرورؔ مرحوم اور مسٹر شاکر کے شاعرانہ تعلقات کا علم مجھے اسی زمانے میں ہوا تھا جب مرحوم الہٰ آباد آئے تھے اور مسٹر شاکر کے یہاں مقیم ہوئے تھے۔ اس زمانے میں وہ دونوں وقت روزمرہ میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ کالی داس کی نظموں کا سنسکرت سے ترجمہ مسٹر شاکر نے ایک پنڈت صاحب کی مدد سے نثر میں بطور خاکہ کیا تھا اور سرورؔ اسے نظم کرتے تھے۔ شاعر کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ وہ جو کچھ نظم کرتا ہے خواہ وہ کسی دوسرے ہی کے لیے کیوں نہ ہو، لیکن اسے اپنے ہم راز دوستوں کو ضرور سنا دیتا ہے۔ سرورؔ بھی مجھے ان نظموں کے اشعار روزمرہ سنایا کرتے تھے۔ مجھ سے یہ راز پوشیدہ نہ تھا کہ مسٹر شاکر کی نظمیں دراصل سرورؔ مرحوم کے زور طبع کی نتیجہ ہوتی ہیں۔ میں اس راز کو زبان تک نہ لاتا اگر آپ نے اسے فاش نہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اب

وہ عالم آشکارا ہوگیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے دوسروں کو عبرت ہوگی۔ لہٰذا اس سلسلے میں بعض واقعات کا اضافہ نامناسب نہ ہوگا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مجھے شاکر سے آپ ہی کے یہاں شرف نیاز حاصل ہوا تھا۔ جب وہ بجو سے تشریف لاکر ''زمانہ'' کے انتظامی امور سرانجام دینے لگے۔ اس زمانے میں مسٹر شاکر کی جو نظمیں ''زمانہ'' میں شائع ہوئی ہیں وہ محض ابتدائی مشق کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے دو ہی سال کے بعد جب میں نے ''ادیب'' نکالا تو مسٹر شاکر حسن اتفاق سے الہٰ آباد میں موجود تھے اور ان کی موجودگی کی اطلاع مجھ کو مسٹر پریم چند کے ایک پرائیویٹ خط سے ہوئی تھی۔ جس پر میں نے دوسرے اہل قلم کی طرح ان سے بھی ''ادیب'' کے لیے مضامین مانگے۔ اس کے جواب میں مسٹر شاکر خود تشریف لائے اور نہایت کشادہ دلی سے اپنے کئی مضامین اور نظمیں عنایت فرمائیں۔ ان نظموں کو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی جن سے ان کا پیشتر کا کلام مناسبت نہ رکھتا تھا۔ بہر حال اس وقت سے مسٹر موصوف مجھے قریب قریب روز مرہ سرفراز فرمانے لگے۔ میں ان کے اس خلوص و اتحاد کا ہمیشہ ممنون رہوں گا۔ خصوصاً اس بے تکلفی کا جس کی بدولت میں ان سے ''ادیب'' کے متعلق کوئی بات پوشیدہ نہ رکھتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد حضرت سرورؔ نے لکھا کہ میں الہٰ آباد آنے والا ہوں اور بالآخر وہ اپریل 1910 کے ابتدائی زمانے میں تشریف لائے۔ سرورؔ مرحوم سے بھی مجھے آپ ہی کے یہاں نیاز حاصل ہوا تھا اور وہ دلی محبت جو مرحوم کو مجھ سے ہوگئی تھی، آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سرورؔ کے زمانۂ قیام میں میری خواہش تھی کہ ''ادیب'' میں ان کا کلام زیادہ نکلے، لیکن وہ بہت مشکل سے ہر ماہ ایک نظم دے سکے۔ جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ شاکر صاحب کے کاموں سے انھیں بالکل فرصت نہیں ملتی اور اگرچہ ''ادیب'' کی طرف سے مرحوم کو نظموں کا معاوضہ بالکل قلیل نہیں دیا جاتا تھا تاہم شاکر صاحب کی مروّت انھیں دوسرے کاموں سے باز رکھتی تھی۔ انتہا یہ کہ جب شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے انتقال کی خبر آئی (غالباً 6 مئی کو) تو میں نے اسی روز سرورؔ صاحب سے ایک نظم کی فرمائش کی اور انھوں نے بھی حتمی وعدہ کیا۔ دوسرے روز نظم کے چند ابتدائی بند بھی سنائے۔ تیسرے روز آ کر اور بند سنائے اور کہا کہ کل یہ نظم ختم ہو جائے گی لیکن تقریباً پندرہ (15) روز تک ان کا وعدہ پورا نہ ہوا۔ چونکہ رسالے کی اشاعت کا زمانہ قریب آ گیا تھا۔ لہٰذا ایک روز

میں نے ان سے سخت تقاضہ کیا۔ اس سختی کے لیے خدا مجھے معاف کرے کیونکہ مرحوم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور چپ ہو گئے۔ میں نے خاموشی کا سبب پوچھا تو انھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ ''وہ نظم مسٹر شاکر نے اپنے نام سے ''زمانہ'' کو بھیج دی۔ نظر صاحب میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں لیکن اس کی تلافی ضرور کروں گا اور جلد ہی ایک اور نظم کہہ کے ''ادیب'' کی ضرورت پوری کروں گا''۔ میرے خیال میں یہ سہل کام نہیں ہے کہ ایک ہی سبجیکٹ پر دوبارہ طبع آزمائی کی جائے اور وہ بھی نہایت قلیل عرصے میں۔ بہر حال سرورؔ مرحوم نے تیسرے روز وہ نظم آکر سنائی جو مئی کے ''ادیب'' میں شائع ہوئی۔ سرورؔ صاحب اپریل سے جون تک تقریباً تین ماہ الٰہ آباد میں رہے تھے اور اس عرصے میں انھوں نے نہ صرف کالی داس کی نظموں کا ترجمہ کیا بلکہ وہ تمام نظمیں جو بعد کو مسٹر شاکر کے نام سے شائع ہوئی ہیں، تقریباً اسی زمانے کی کہی ہوئی تھیں۔ ''رانڈ کا چرخہ'' جس کا ذکر خطوط میں کیا گیا ہے، ''ادیب'' ہی میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ تقریباً ایک سو (100) یا اس سے زائد رباعیاں بھی سرورؔ صاحب نے اسی زمانے میں کہی تھیں، جنھیں میں نے پہلے سرورؔ صاحب اور بعد کو شاکر صاحب کی زبان سے مسودے کی حالت میں سنا تھا اور جو بعد کو رباعیات شاکر کے عنوان سے عرصے تک شائع ہوتی رہیں۔ اس وقت تک میں یہ سمجھتا تھا کہ شاکر صاحب نے سرورؔ سے تلمذ اختیار کیا ہے جیسا کہ ایک آدھ موقع پر انھوں نے بھی فرمایا تھا اور سرورؔ صاحب ان کے کلام کو محنت اور توجہ سے درست کر دیتے ہیں لیکن ایک موقع پر مجھے تجربہ ہوا کہ شاکر صاحب فن نظم سے بالکل بہرہ نہیں رکھتے۔ آپ کو خیال ہوگا کہ ''ادیب'' میں ''جنگل کی برسات'' کے عنوان سے ایک نظم شائع ہوئی تھی۔ اس نظم کو اس تصویر سے مطابق کرنے کے لیے جو رام چندر جی کے زمانۂ قیام چترکوٹ کے متعلق اسی نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ میں نے شاکر صاحب سے کہا کہ اس کے آخر میں دو تین بند کا اضافہ کر کے نظم کو تصویر سے مطابق کر دیجیے۔ شاکر صاحب نے عدیم الفرصتی کا عذر کیا لیکن زیادہ اصرار پر نظم کو لے گئے۔ پانچ روز کے بعد مع اضافہ واپس لائے۔ میں نے اضافہ شدہ بندوں کو پڑھا تو وہ اس بحر سے تعلق نہ رکھتے تھے، جس میں اصل نظم موزوں کی گئی تھی۔ آخر شاکر صاحب نے فرمایا کہ آپ خود ہی اضافہ کر دیجیے اور ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ اس نظم کے دو آخری بند جن میں رام و سیتا جی کا ذکر ہے میں نے نظم کر دیے تھے۔

میں نہیں جانتا کہ اس وقت سے اب تک مسٹر شا کر نے اس فن میں کتنی ترقی کی ہے۔ ممکن ہے کہ اب وہ نظم کرنے لگے ہوں کیونکہ ان کی ذہانت اور شوق میں شک کی گنجائش نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ بغیر کسی دوسرے شخص کی مدد کے وہ اب بھی اپنے خیالات کو اسی دلکشی سے نظم نہیں کر سکتے جس کے لیے پچھلے تین چار سال میں انھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

نوبت رائے نظر
ایڈیٹر "اودھ اخبار" لکھنؤ

کتابیات

1۔ آب حیات: محمد حسین آزاد، اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1998

2۔ العصر، انتخاب: دوسری جلد: مرتب عابد رضا بیدار، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 1980

3۔ سرور جہان آبادی: حیات وشاعری، باوا کرشن گوپال مغموم، نامی پریس لکھنؤ 1982

4۔ نوائے سرور: مرتب حکم چند نیّر، ادارہ روزنامہ بنارس، 1967

5۔ کلیات پریم چند: متفرقات (مرتب) مدن گوپال، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2003

6۔ سرور جہان آبادی: حیات اور شاعری، ادارہ فروغ اردو، لکھنؤ 1968

7۔ پریم چند ادبیات: مرتب عابد رضا بیدار، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ 1993

8۔ انتخاب ادیب الہٰ آباد: مرتب عابد رضا بیدار، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، 1988

9۔ ناقابل فراموش: دیوان سنگھ مفتوں، دہلی سنہ ندارد

رسائل:

1۔ ہماری زبان (ہفتہ وار) انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ستمبر 1944
2۔ العصر (ماہنامہ) لکھنؤ اگست 1915
3۔ زمانہ پریم چند نمبر، کانپور فروری 1938
4۔ الناظر (ماہنامہ) لکھنؤ، دسمبر 1914
5۔ زمانہ کانپور، جنوری 1915

یہ کتاب معروف ہندی شاعر کالی داس کی کتاب 'رِتُو سنگھار' کا منظوم ترجمہ ہے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق اس کے مترجم منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی ہیں، جنھوں نے 'اکسیر سخن' کے نام سے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب موسموں سے متعلق ہے اور نظم نگاری سے متعلق سرور جہان آبادی کے ذوق وشوق کی مظہر بھی۔ جدید نظم کے فروغ میں سرور جہان آبادی کا نام سرفہرست ہے۔ انھوں نے کثرت سے فطری، مذہبی اور قومی نظمیں کہی ہیں اور دیگر معاصر زبانوں کے تراجم کی وساطت سے اردو نظم کے کینوس کو کشادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ 1913 میں یہ کتاب نول کشور پریس لکھنؤ سے پیارلال شاکر کے نام سے چھپی تھی، جو کہ غلط ہے۔ اس کے مترجم سرور جہان آبادی ہیں۔

کتاب کے محقق ڈاکٹر الف ناظم ہندوستان کی مایہ ناز علمی درسگاہ جے این یو سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان کی تحقیق کا موضوع شیخ غلام ہمدانی مصحفی تھا۔ تحقیق، تدوین اور ترجمہ ان کی دلچسپی کے شعبے ہیں۔ مصحفی اور مثنویاتِ مصحفی، سرور جہان آبادی: تحقیقی اور تنقیدی جائزے اور اُس کا دُکھ (ترجمہ) ان کی مطبوعہ کتب ہیں جبکہ بیان مصحفی، کلیات سرور جہان آبادی، کلام سرور کا، نام شاکر کا اور سرور جہان آبادی: احوال وآثار کتابیں ابھی اشاعت کے مراحل میں ہیں۔ آج کل وہ پریم چند اسکول کے نمائندہ افسانہ نگار وناول نگار پنڈت بدری ناتھ سدرشن پر تحقیقی وتنقیدی کام انجام دے رہے ہیں۔

ISBN 978-93-5160-079-4

9 789351 600794

فروغ اردو بھون
NCPUL
New Delhi

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی-110025

قیمت-/80 روپے